بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۱ | ۱۰ر اگست ۲۰۲۴ء مطابق ۵ر صفر المظفر ۱۴۴۶ھ | شمارہ نمبر ۱۹

اس شمارے میں

شعروادب اسلام لاچکے ہیں اب ایمان.....	مولانا محمد احمد پرتاپگڈھیؒ	۴
اداریہ تری نسبت براہیمی ہے معمار.....	شمس الحق ندوی	۵
فکروعمل ہشیار اے ملتِ بیضائے ما!	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
تعلیم وتربیت بچوں کی تربیت میں والدین.....	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ	۱۱
فکر معاصر سلطنت کا غرور اور عزت.....	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۲
خُلق عظیم عالَم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۴
راہِ عمل طلاق شدہ خواتین-مسائل اور حل	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۶
پرانے چراغ مفکر اسلام علیہ الرحمہ سے وابستہ یادیں	مولانا وقار عظیم ندوی	۲۰
یادِ رفتگاں ایک جاں باز قائد کی شہادت	مولانا عبدالعلیم فاروقی	۲۳
رسید کتب تعارف وتبصرہ	محمد اصطفاء الحسن ندوی	۲۵
حق وباطل جی-۷ سربراہ جلاس اور.....	محمد فرمان ندوی	۲۶
محاسن اسلام ماہِ صفر اور اسلامی شریعت	محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۲۹
عروج وزوال بس نام رہے گا اللہ کا!	محمد اعظم ندوی	۳۰
فقہ وفتاویٰ سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۳۳

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول: شمس الحق ندوی

نائب مدیر: محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر: محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت: مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT

A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)

IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157

State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406

website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر =/30₹ جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلدی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر وادب

اسلام لاچکے ہیں اب ایمان لائیے

حضرت مولانا محمد احمد پرتاپگڈھیؒ

احمدؔ مزے میں آپ ذرا گنگنائیے
اشعار ہی میں عشق کا دریا بہائیے

اب دل میں اپنے شمع محبت جلائیے
تاروں کی طرح رات کو پھر جگمگائیے

دل پر خدا کے نام کی ضربیں لگائیے
اور اپنے دل سے نقش دوئی کا مٹائیے

اللہ سے کچھ ایسا تعلق بڑھائیے
سنتے ہی نام پاک کو بس جھوم جائیے

ان کے سوا کسی سے نہ اب دل لگائیے
للہ آپ بات مری مان جائیے

اس درجہ آپ مشقِ تصور بڑھائیے
موجود ان کو پاس ہی ہر وقت پائیے

آنکھوں کی راہ پہلے انہیں دل میں لائیے
مقصود دیکھنا ہو تو گردن جھکائیے

ہر ما سوا کو آگ خوشی سے لگائیے
کانٹے بچھے ہیں راہ میں، ان کو ہٹائیے

کچھ کام کر کے پہلے تو ان کو دکھائیے
بیکار شور آپ نہ اتنا مچائیے

تیروں پہ تیر سینے پہ کھاتے ہی جائیے
اُف بھی زبان پر مگر اپنے نہ لائیے

دل کو خدا کے واسطے پھر دل بنائیے
یعنی خدا کی یاد سے اس کو بسائیے

سنتے ہیں؟ ان کی مرضی پہ سب کچھ لٹائیے
اسلام لا چکے ہیں، اب ایمان لائیے

رحمت کا ابر بن کے جہاں بھر میں چھائیے
عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھائیے

خُلقِ نبیؐ کا اب تو نمونہ دکھائیے
اغیار کو بھی اپنے گلے سے لگائیے

☆☆☆☆☆

اداریہ

تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے

شمس الحق ندوی

ہم غور کرتے ہیں تو یہ نا قابل انکار اور روز روشن کی طرح عیاں حقیقت سامنے آتی ہے کہ انسانی زندگی کے دو پہلو ہیں: ایک پہلو تو پیدائشی اور فطری ہے جو ہر انسان میں یکساں پایا جاتا ہے اور از خود اس پہلو کو اپنانے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے، کسی تحریک و ترغیب اور دعوت و تشویق کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں پیش آتی، انسان اس کو از خود اپناتا اور اس کے تقاضے کو پورا کرتا ہے، بالکل اسی طرح جس طرح پانی ڈھال کی طرف بہتا ہے یا پودا اوپر کی طرف بڑھتا ہے، یہ پہلو ہے انسان کی طبعی ضروریات و بشری تقاضوں کا جیسے کھانے پینے اور زندگی گزارنے کے دوسرے اسباب و وسائل کے حصول کا فکر مند ہونا اور اس کے لیے بلا کسی دعوت و ترغیب کے کوشش کرنا، زندگی کا یہ پہلو مومن و کافر سب کے لیے یکساں ہے، اس میں کفر و ایمان کا کوئی فرق و امتیاز نہیں، سارے طبعی تقاضے مومن و کافر سب میں یکساں پائے جاتے ہیں، یہ وہ پہلو ہے کہ اس کے لیے کوئی ادارہ قائم کرنے، لوگوں کو کمانے اور حصول رزق کے لیے دیگر اسباب معاش کو اپنانے کے لیے کوئی تحریک چلانے کی ضرورت نہیں، اس کا احساس و جذبہ انسان میں پیدائشی پایا جاتا ہے، ہر انسان از خود اس پر عمل کرتا ہے۔

دوسرا پہلو ایمان کا پہلو ہے، یہ خاص ہے مومن بندوں کے ساتھ، اس پہلو کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اپنے خالق سے احکام لے اور اس پر عمل کرے، انسان حلال و حرام میں تمیز کرے، معاش کے لیے حصول کا طریقہ کیا ہو؟ کن طریقوں سے جائز و درست ہے؟ اور کن طریقوں کو اپنانے سے اسلامی غیرت و حمیت کو ٹھیس پہنچتی ہے؟ انسان کی زندگی کا مقصد اصلی کیا ہے؟ ایک انسان کا دوسرے انسان پر کیا حق ہے؟ وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرے، لین دین، کاروبار، گھر اور بازار میں کس طرح رہے، باپ ہے تو اولاد کی تعلیم و تربیت کی اس پر کیا ذمہ داریاں ہیں؟ اولاد ہے تو ماں باپ کے اس پر کیا حقوق ہیں؟ شوہر ہے تو بیوی کے ساتھ کیا سلوک کرے، بیوی ہے تو شوہر کے حقوق کا کس طرح پاس و لحاظ کرے، حاکم ہے تو محکوم پر کیسی شفقت و عنایت کا معاملہ کرے، محکوم ہے تو آقا کے حکموں کی بجا آوری میں کیسا مستعد رہے؟ غرض یہ کہ پورے نظام معاشرت میں اس کا کیا کردار ہو، زندگی کے ہر ہر عمل میں اپنے خالق و مالک کی رضا جوئی و خوشنودی کا کیسا خیال رکھے، انسانی حقوق کا معاملہ ہو تو جو اپنے لیے پسند کرے وہی دوسروں کے لیے بھی، "لا یؤمن أحدکم حتی یحبّ لأخیه مایحبّ لنفسه" دوسروں کے دکھ درد میں کام آئے، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی خبر گیری کرے، یہ وہ انسانی قدریں ہیں جن کی دعوت و تبلیغ کی ضرورت ہوتی ہے، اور اسی میں انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا راز پنہاں ہے، اس کی ذات سے اور قول و عمل سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے، "المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده" انبیاء کرام اس دوسرے ہی پہلو کا شعور بیدار کرنے اور جگ ریت میں بدمست و کھوئے ہوئے انسانوں کو ہوشیار کرنے کے لیے آتے ہیں، کہ جب جب انسان زندگی کے پہلے رخ پر لگ کر ایمان کے پہلو سے غافل ہوا ہے، دنیا میں بڑا فساد و بگاڑ پیدا ہوا ہے، اور اس کی پاداش میں بڑی بڑی قومیں اور صاحب سطوت و جبروت بادشاہتیں حرف غلط کی طرح صفحۂ ہستی سے مٹادی گئیں، قرآن کریم نے ایسے بہت سے واقعات بیان کیے ہیں کہ سجا سجایا ملک چھوڑ کر وہ آن کی آن میں غائب ہو گئے، کسی وصیت و ہدایت کا بھی موقع نہ ملا، فرعون و نمرود کا واقعہ سب جانتے ہیں، قوم عاد و ثمود جیسی زبردست قوموں کی بربادی

کا حال کسے نہیں معلوم کہ منٹوں میں کھجور کے تنوں کی طرح ڈھیر تھے، "كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ "[حاقہ:۷] دوسرے پہلو کی طرف توجہ دینا اور انسانوں میں اس کا شعور پیدا کرنا اب یہ امت مسلمہ کے ذمہ ہے کہ سلسلۂ نبوت ختم ہونے کے بعد یہی امت دعوت ہے، اگر یہ امت اپنے دعوتی کام کو چھوڑ کر دوسری قوموں کے ساتھ مادیت کی ریس میں شامل ہو جاتی ہے تو نہ صرف اس کا اپنا وجود و تشخص ختم ہو جائے گا بلکہ دنیا نہایت ہیبت ناک حالات سے دوچار ہوگی، فکر و تشویش کی بات نہیں کہ دنیا میں مادیت کا غلبہ بڑھ گیا ہے اور اس کے نتیجہ میں اخلاقی انارکی اور افراتفری کا عالم بپا ہے؛ بلکہ فکر و تشویش کی بات یہ ہے کہ جو امت اس عالم کی محاسب و نگراں تھی وہ بھی اپنا کام چھوڑ کر مادیت کے سیلاب میں بہی چلی جا رہی ہے، غزوۂ بدر کے موقع پر انتہائی اضطرار و اضطراب کے عالم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ "اللّٰھم ان تھلك ھذه العصابة لن تعبد" (اے خدا! گر تو نے اس چھوٹی سی جماعت کو ہلاک کر دیا تو کبھی تیری عبادت نہ ہوگی) اس بات کا صاف اعلان ہے کہ اس امت کا وجود قافلۂ انسانیت کی رہبری و رہنمائی کے لیے ہوا ہے، شور ہے کہ مسلمان سارے عالم میں مظلوم و مقہور ہیں، مسلمان قوم اس ظلم و قہر سے نہ مٹی ہے نہ مٹ سکتی ہے، اس کی بقاء و فنا کا انحصار اس کے اپنے کیریکٹر اور اور تشخص و امتیاز پر ہے، اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس قوم کا سواد اعظم اپنی اصل ذمہ داری یعنی زندگی کے ایمانی پہلو کے تقاضوں کو چھوڑ کر دوسری قوموں کے ساتھ زندگی کے پہلے رخ پر چل پڑا ہے، خصوصاً اس کے لیڈر اور سربراہ بری طرح اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور ہوش و خرد اس حد تک کھو چکے ہیں کہ کچھ سننے سنانے کے لیے تیار نہیں، وہ ہر سودا کرنے کے لیے تیار ہیں، ان کو عہدہ اور منصب ملنا چاہیے۔

امت مسلمہ بہت زخم کھا چکی ہے، اب اس کو بیدار ہونا چاہیے اور اپنی صلاحیتوں کو مقصد اصلی میں استعمال کرنا چاہیے، یہ قوم دشمنوں کے مارنے سے نہ مرے گی بلکہ اپنی ایمانی اور اخلاقی موت سے مرے گی، ہم کو اس کی فکر کرنا چاہیے کہ مسلمانوں کو اخلاقی اور ایمانی موت سے بچائیں اور ان کے اخلاق و کردار کا معیار اتنا اونچا کر دیں کہ نظر پڑتے ہی معلوم ہو جائے کہ یہ ٹکسال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈھلے ہوئے سکے ہیں، جن کا کوئی ثانی نہیں، وہی معراج انسانیت ہیں، وہی فلاح دارین کی ضمانت ہیں، کاش مسلمان اپنے اس مقام بلند کو سمجھتے، اور اقبال نے اپنے چند اشعار میں ان کی جس حقیقت کو بیان کر دیا ہے اس کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتے اور اپنے معمارِ جہاں ہونے کا ثبوت دیتے، اقبال کے ان اشعار کو پڑھئے اور اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوئے میدان عمل میں اتریئے اور اس رزق کو لات ماریئے جس سے پرواز میں کوتاہی آتی ہے:

پرے ہے چرخِ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے
حنا بند عروس لالہ ہے خونِ جگر تیرا
تری نسبت براہیمی ہے معمارِ جہاں تو ہے
جہانِ آب و گل سے عالمِ جاوید کی خاطر
نبوت ساتھ جس کو لے گئی وہ ارمغاں تو ہے
سبق پھر پڑھ صداقت کا ، عدالت کا ، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

☆☆☆☆☆

فکروعمل

ہشیار اے ملتِ بیضائے ما!

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اس وقت پورا عالم اسلام خاص طور پر ملک ہندوستان جو صدیوں تک اسلامی اقدار، عزت و شرف اور اسلامی علوم وفنون کا مرکز رہا ہے، اور جہاں ایسی زبردست اصلاحی تحریکیں، مصلحین اور علمائے ربانیین پیدا ہوئے، جن کی دعوت و اثرات عالم اسلام کے دور دراز ملکوں تک پہنچے، ایک ایسے آزمائشی دور سے گذر رہا ہے، جس کی نظیر گذشتہ تاریخ میں صدیوں تک نہیں ملتی۔

اس دورِ آزمائش میں مسلمانوں کا صرف ملی تشخص، دین کی دعوت وتبلیغ کے مواقع و امکانات اور ملک ومعاشرہ کو صحیح راستہ پر لگانے اور اس کائنات کے خالق ومالک کی صحیح معرفت اور عبادت اور دین صحیح کی طرف رہنمائی کی صلاحیت اور استطاعت تو بڑی چیز ہے، کم سے کم اس ملک ہندوستان میں ان کی زندگی کا تسلسل، جسمانی وجود، عزت وآبرو، مساجد و مدارس اور صدیوں کا دینی وعلمی اثاثہ اور قیمتی سرمایہ بھی خطرہ میں پڑ گیا ہے۔

وہ نہ صرف دور دراز قصبات اور دیہاتوں میں بلکہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں بھی جہاں وہ بڑی تعداد میں بستے ہیں اور ممتاز صلاحیتوں، ذہنی امتیازات اور مہارتوں کے مالک ہیں، کچھ عرصہ سے خوف وہراس کی زندگی گذار رہے ہیں، اور کہیں کہیں اس کا نقشہ بعینہٖ وہ ہو گیا ہے، جس کی تصویر قرآن مجید نے اپنے بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس طرح کھینچی ہے:

"ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ". [سورۂ توبہ]

(زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں)۔

اس صورت حال کی اگر کوئی مثال پچھلی تاریخ میں مل سکتی ہے تو وہ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں تاتاریوں کا ترکستان، ایران وعراق پر حملہ ہے، جس نے شہر کے شہر بے چراغ اور تودۂ خاک بنادیے تھے اور عالم اسلام کی چولیں ہل کر رہ گئیں تھیں لیکن وہ ایک نیم وحشی قوم کی فوجی یلغار تھی جس کے ساتھ کوئی دعوت، تہذیب، فلسفہ، مذہبی نفرت وتعصب اور جسمانی ومعنوی نسل کشی کا منصوبہ یا ارادہ نہ تھا، اور نہ ہی وہ کسی متوازی تہذیب وفلسفہ کے حامی تھے، اس وقت خوش نصیبی سے وہ اہل دل، صاحب روحانیت، دین کے مخلص اور صاحب تاثیر مبلغ و داعی موجود تھے، ان کے اثر وصحبت سے پوری تاتاری قوم (جو لاکھوں کی تعداد میں تھی) اسلام کے حلقہ بگوش ہی نہیں، دین حق کی محافظ وعلمبردار بن گئی اور اس نے متعدد وسیع وزبردست اسلامی سلطنتیں قائم کیں، مشہور مؤرخ پروفیسر (T.W.Arnold) اپنی کتاب دعوت اسلام (Preaching Of Islam) میں لکھتا ہے:

"لیکن اسلام اپنی گذشتہ شان وشوکت کے خاکستر سے پھر اٹھا اور واعظین اسلام نے ان ہی وحشی مبلغوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا تھا، مسلمان کر لیا"۔

آج کی صورتحال خاص طور پر جن ملکوں میں مسلمان عددی اقلیت میں ہیں اور ماضی میں وہ حکومت واقتدار کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں، دوسرے اسلامی ممالک سے مختلف اور زیادہ نازک ہے، یہاں ان کی تاریخ ایک علمی اور سیاسی سازش کے تحت اس طرح مرتب اور پیش کی گئی ہے کہ وہ اکثریت میں بغض ونفرت اور انتقامی جذبہ پیدا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

پھر بعض اوقات ان ملکوں کی سیاسی قیادتوں یا وقتی پیش آمدہ مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی و نمائندگی کرنے والی تنظیموں اور جماعتوں نے غیر معتدل جذباتیت، ناعاقبت اندیشی اور نام و نمود حاصل کرنے کے شوق میں ہنگامہ خیزی سے کام لینے کی غلطی کی، وہاں مسلمان شدید مذہبی منافرت وتعصب، تہذیبی وثقافتی محاذ آرائی کا شکار ہوئے، پھر نصابِ تعلیم، صحافت اور ابلاغ عامہ کے ذریعہ مسلمانوں کی آئندہ نسل کو اولاً تہذیبی وثقافتی ارتداد کا شکار بنانے کا منصوبہ بنایا گیا اور اس کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔

یہ حالات یقیناً صرف ایمانی ومذہبی غیرت اور پختہ دینی شعور رکھنے والوں کے لیے بلکہ حالات پر سطحی نظر رکھنے والے عام مسلمان کے لیے جو بھی گرد وپیش کے حالات کو دیکھتا، اخبارات پڑھتا اور خبریں سنتا ہے، سخت تشویش انگیز ہیں، وہ کبھی مایوسی اور بعض اوقات حالات کے سامنے سپر انداز ہو جانے پر بھی آمادہ کرتے ہیں۔

لیکن اس خدائے واحد پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے لیے جس کے ہاتھ میں اس کارخانہ عالم کی ڈور ہے، اپنے دین کا محافظ، حق کا حامی، مظلوموں کی مدد کرنے والا، پامال اور خستہ حال کو

اٹھانے والا اور سرکش ومتکبر کو نیچا دکھانے والا اور جس کی شان ہے کہ:"أَلَا لَہ الْخَلْقُ وَ الْأَمْرُ" دیکھو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے، کوئی انقلاب اور تغیر حال ناممکن نہیں، اس خدائے واحد کے بارے میں مسلمان شہادت دیتا ہے کہ:

"قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنزِعُ الْمُلْكَ مِمَّن تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَن تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَن تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ،تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَن تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ". [سورہ آل عمران] (کہو اے خدا! اے بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے، ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور تو بے شک ہر چیز پر قادر ہے، تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے)۔

ایک ایسے موقع پر جب ایک مفتوح ومغلوب قوم کے غالب آنے اور ایک فاتح اور غالب ملک کے بارے میں مغلوب ہونے کی نہ کوئی امید تھی اور نہ کوئی پیشین گوئی کی جرأت کرسکتا تھا، قرآن مجید میں صرف فرمایا گیا:

"لِلَّهِ الْأَمْرُ مِن قَبْلُ وَمِن بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُونَ ،بِنَصْرِ اللَّهِ يَنصُرُ مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ". (پہلے بھی اور پیچھے بھی خدا ہی کا حکم ہے اور اس روز مؤمن خوش ہوجائیں گے، خدا کی مدد سے وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب مہربان ہے)۔

لیکن اس تبدیلی حال اور اس خطرہ سے بچنے کے لیے جواب مشاہدہ اور تجربہ کی شکل میں آگیا ہے، کچھ خدائی قانون، اس کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر، انسانیت کی تعلیمات اور خود اس کا اُسوہ اور سنت اور اس کے تربیت یافتہ اصحاب کاملین کا نمونہ وعمل ہے۔

قرآن وحدیث اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں چند شرائط و ہدایات اس طرح ہیں:

۱-اس وقت دنیا کے تمام مسلمانوں اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض اور ضروری کام رجوع الی اللہ، انابت، توبہ واستغفار اور دعا ابتہال، گریہ وزاری ہے۔

قرآن مجید کی صریح آیت ہے:"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ". (اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے، بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا:

"أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ". (بھلا کون بے قرار کی التجا کو قبول کرتا ہے، جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور کون اس کی تکلیف کو دور کرتا ہے اور کون تم کو زمین میں اگلوں کا جانشین بناتا ہے)۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحاً عَسَى رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ". (اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچی توبہ کرو، عجب کیا کہ تمہارا پروردگار (اسی سے) تمہارے گناہ تم سے دور کردے)۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک تھا کہ ذرا بھی کوئی پریشانی کی بات پیش آتی تو فوراً نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے اور دعا میں مشغول ہوجاتے، حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں:

''كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا حزبه أمر صلّى" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی کی بات پیش آتی تو آپ نماز شروع کردیتے)۔

حضرت ابودرداء کی روایت ہے:

"كان النبى صلى الله عليه وسلم اذاكان ليلة ريح شديدة كان مفزعه الى المسجد حتى تسكن الريح واذاحدث فى السماء حدث من خسوف شمس أوقمر كان مفزعه الى الصلاة حتى ينجلي" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب تیز ہوا والی رات ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ گاہ مسجد ہوتی، آپ وہاں اس وقت تشریف رکھتے کہ ہوا ٹھہر جاتی، اگر آسمان میں سورج یا چاند کو گہن پڑتا تو نماز ہی کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رجوع ہوتا اور آپ اس وقت تک اس میں مشغول رہتے کہ گہن ختم ہوجاتا)۔

اس بنا پر اس وقت دعاء ومناجات، تلاوت قرآن پاک، خاص طور پر ان آیات اور سورتوں کی تلاوت کا اہتمام کیا جانا چاہیے، جن میں امن وامان اور فتح ونصرت کا مضمون آیا ہے، مثلاً:"ألم ترکیف اور لایلف قریش :آیت کریمہ:"لا اله الا أنتَ سُبْحَانَكَ اِنی كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ" (تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے اور بیشک میں قصوروار ہوں)۔

۲- دوسری شرط اور ضروری اور فوری قدم یہ ہے کہ معصیتوں سے توبہ کی جائے، گناہوں سے اجتناب اور احتراز برتا جائے، حقوق کی ادائیگی ہو، اس سلسلہ میں خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس ایک فرمان کا حوالہ دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے، جو انہوں نے اپنے افواج کے ایک قائد کو بھیجا، وہ تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ کے بندہ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیز کا یہ ہدایت نامہ منصور بن غالب کے نام، جب کہ امیر المومنین نے ان کو اہل حرب سے اور وہ ان اہل صلح جو مقابلہ میں آئیں، جنگ کرنے کے لیے بھیجا ہے، امیر المومنین نے ان کو یہ حکم دیا ہے کہ ہر حال میں تقویٰ اختیار کریں، کیونکہ اللہ کا تقویٰ بہترین سامان، مؤثر ترین تدبیر اور حقیقی طاقت ہے، امیر المومنین ان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لیے دشمن سے زیادہ اللہ کی معصیت سے ڈریں، کیونکہ گناہ دشمن کی تدبیر سے بھی زیادہ انسان کے لیے خطرناک ہے، ہم اپنے دشمن سے جنگ کرتے ہیں، اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر غالب آجاتے ہیں، اگر ہم اور وہ دونوں معصیت میں برابر ہو جائیں تو وہ قوت اور تعداد میں ہم سے بڑھ کر ثابت ہوں گے، اپنے گناہوں سے زیادہ کسی کی دشمنی سے چوکنا نہ ہوں، جہاں تک ممکن ہو، اپنے گناہوں سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہ کریں''۔

غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرانے کی کوشش کریں اور ایسے کسی موقع کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں، ہمارے پاس سب سے بڑی طاقت وہ فطری، معقول، پرکشش اور دل ودماغ کو تسخیر کرنے والا دین، قرآن مجید کا اعجازی صحیفہ اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی دلکش اور دل آویز سیرت اور اسلام کی قابل فہم اور قابل عمل عقل سلیم کو متاثر کرنے والی تعلیمات ہیں، جو اگر کھلے دماغ اور صاف ذہن سے پڑھی جائیں تو اپنا اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتیں چنانچہ انہیں تعلیمات نے دنیا کے وسیع ترین رقبہ اور متمدن اور ذہین قوموں کو اپنا عاشق اور اپنے اوپر کاربند بنالیا اور ملک کے ملک (جو اپنی صدہا سال کی تہذیبیں، فلسفے اور حکومتیں رکھتے تھے) ان کے حلقہ بگوش اور ان کے داعی ومبلغ بن گئے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں اس فرض کی ادائیگی میں اپنی اس ذمہ داری کے احساس وشعور میں بڑی کوتاہی کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں اکثریت کے لوگ غیر مسلمین اسلام کی ان روزمرہ کی خصوصیات، نشانیوں اور اذان ونماز، جو شہروں، دیہاتوں اور محلوں میں پنج وقتہ ہوتی ہے، کے بارے میں بعض اوقات ایسے سوالات کرتے ہیں کہ بجائے ان پر ہنسی آنے کے اپنی کوتاہی پر رونا آنا چاہیے، وہ ان کے مفہوم و مطلب سے اتنے ناواقف ہیں، جن کا قیاس میں آنا مشکل ہے، ان کے سلسلہ میں ایسے تجربے کثرت سے سفر کرنے والوں اور غیر مسلموں سے میل جول رکھنے والوں کو دن رات پیش آتے ہیں، اس مقصد کے لیے اردو، انگریزی اور ہندی میں اسلام کے تعارف میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔

اس سب کے ساتھ اس ملک میں جس میں صدہا سال سے مسلمان رہتے چلے آئے ہیں اور بظاہر ان کو اسی ملک میں رہنا ہے، بقائے باہم انسانی اور شہری بنیادوں پر اتحاد وتعاون اور انسانی جان اور عزت وآبرو کے تحفظ اور انسان کے احترام اور اس سے محبت کی تبلیغ اور تلقین ضروری ہے، جو اس ملک کی فضا کو مستقل طور پر معتدل اور پرسکون بلکہ پرراحت اور باعزت رکھنے کی ضامن ہے اور جس کے بغیر اس ملک کی (جس کے لیے مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا مرکز اور دیس ہونا مقدر ہو چکا ہے، ترقی اور نیک نامی الگ رہی، امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ باقی رہنا بھی مشکل ہے، یہ تحریک ''پیام انسانیت'' کے نام سے کئی سال پہلے شروع کی گئی اور ہندوستان کے تقریباً تمام مرکزی شہروں میں اس کے بڑے بڑے جلسے ہوئے، جن میں خاصی تعداد میں غیر مسلم دانشور، فضلاء، سیاسی کارکن، اور رہنما بھی شرک ہوئے، اس کے تعارف اور اس کی ضرورت کی تشریح اور اس کے پیغام پر خاص لٹریچر اردو، ہندی اور انگریزی میں تیار ہو چکا ہے اور اہل شوق کو وہ آسانی کے ساتھ دستیاب ہوسکتا ہے۔

ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں (خاص طور پر جہاں وہ اقلیت میں ہیں اور وہاں خطرات اور آزمائشوں کا امکان ہے) صلح پسندی، صبر وتحمل بلکہ ایثار وفیاضی کے ساتھ عزم وہمت، صبر وثبات، شجاعت ودلیری کی صفت، راہ خدا میں مصائب برداشت کرنے اور اس پر اللہ کے اجر وثواب کی طمع اور جنت، لقائے رب کا شوق اور شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل کا استحضار بھی موجود اور زندہ رہنا چاہیے، اس کے لیے ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات اور داعیان اسلام کے کارناموں کا مطالعہ اور ان کا سننا سنانا جاری رکھنا چاہیے، جنہوں نے راہ خدا میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں اور اس کو فضل اعمال اور قرب خداوندی اور حصول جنت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا۔

کچھ عرصہ پہلے پڑھے لکھے اور دیندار گھرانوں

میں واقدی کی "فتوح الشام" کا منظوم اردو "صمصام الاسلام" گھروں اور مجلسوں میں پڑھا جاتا تھا اور اس کا بڑا اثر پڑتا تھا، اب بھی حکایات صحابہؓ، از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ، شاہنامہ اسلام، از حفیظ جالندھریؒ، راقم سطور کی کتاب "جب ایمان کی بادِ بہاری چلی" سے یہ کام لیا جاسکتا ہے، ان کے مسجدوں، مجلسوں اور گھروں میں پڑھنے کا رواج ڈالنا چاہیے۔

بڑی ضروری اور آخری بات یہ ہے کہ اس وقت ہر گھر کے ذمہ داروں، بچوں کے والدین اور موجودہ نسل کے لوگوں کو اپنے بچوں اور اپنی آئندہ نسل کو دین کی ضروریات سے، اسلامی عقائد، دینی فرائض اور اسلامی اخلاق سے واقف کرانے اور بنیادی تعلیم دینے کی ذمہ داری خود قبول کرنا ہے اور ان پر لازم ہے کہ اس کو اپنا ایسا ہی انسانی واسلامی فرض سمجھیں جیسا کہ بچوں کی خوراک وغذا و لباس و پوشاک، صحت اور بیماری کے علاج کی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں، بلکہ حقیقت میں دین کی ضرورت، عقائد کی تعلیم اور صحیح اسلامی عقیدہ کی حفاظت اور تقویت کا کام ان جسمانی وطبعی ضروریات کی تکمیل اور ان کے انتظام سے بھی زیادہ ضروری ہے، اور اس سے غفلت ان انسانی وجسمانی ضرویات کی تکمیل سے غفلت برتنے اور اس کے بارے میں سہل انگاری سے کام لینے سے زیادہ خطرناک اور برے دائمی نتائج کا سبب ہے۔

اس لیے کہ دینی تعلیم وتربیت اور صحیح اسلامی عقائد کا معاملہ ایک لافانی وابدی زندگی (حیات بعد الموت) کے انجام اور اچھے برے نتائج سے تعلق رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ صاف صاف ارشاد فرماتا ہے:

"یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَکُمْ وَأَهْلِیکُمْ نَاراً". (اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے)۔

اور صحیح حدیث میں آتا ہے کہ:

"کلّکم راع وکلّکم مسئول عن رعیته". (تم میں سے ہر ایک، ایک حاکم اور زیردست اور زیر فرمان لوگوں کے ذمہ دار کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر ایک سے اس کی اپنی رعیت، زیر اثر کے بارے میں لوگوں میں سوال کیا جائے گا)۔

اس لیے گھر گھر، محلّہ محلّہ اور مسجد مسجد اور مدرسہ مدرسہ کی دینی تعلیم کا انتظام ہونا چاہیے، اور ہر عاقل وبالغ مسلمان اور عیال دار آدمی کو یہ ذمہ داری قبول کرنی چاہیے۔

☆☆☆☆☆

سید احمد شہید اکیڈمیؒ رائے بریلی کی پیش کش

تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

بقلم: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

شیخ الاسلامؒ کی حیات وخدمات، قوم وملک کے لیے ان کے مجاہدانہ کارنامے، امت کی دینی وسیاسی رہنمائی اور ان کے علمی وروحانی مقام ومرتبہ کا ایمان افروز تذکرہ۔

صفحات: 160 قیمت: Rs.130

ایک عشرہ سئی کی وادی میں

بقلم: پروفیسر رشید کوثر فاروقی

معروف ادیب ونقاد پروفیسر رشید کوثر فاروقی کی زندگی کے ان دس دنوں کی داستان جو انھوں نے دائرہ شاہ علم اللہ (تکیہ کلاں) میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی صحبت میں گذارے تھے، دس دن کی محدود رفاقت، مفکر اسلام کے شب وروز کے مشاہدے اور ذاتی تجربات واحساسات کا ایک حسین ودلکش بیانیہ! عام قارئین کے لیے علمی وادبی سوغات!

صفحات: 120 قیمت: Rs.100

سید احمد شہید اکیڈمی
دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی
رابطہ: 9919331295

تعلیم وتربیت

بچوں کی تربیت میں والدین کی ذمہ داری

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں والدین کا بڑا اہم رول ہوتا ہے، بچہ کی پوری دنیا اس کے ماں باپ ہوتے ہیں، وہ اپنے ماں باپ کو سب کچھ سمجھتا ہے، اگر آپ کسی بچے سے معلوم کریں کہ تم کو کھانا کون کھلاتا ہے، بچہ کہے گا کہ اماں کھلاتی ہیں، اگر پوچھئے کہ پیسے کون دیتا ہے، تو بچہ کہے گا کہ ابا دیتے ہیں، یہاں تک کہ ہر بات کو وہ اپنے والدین کی طرف منسوب کرتا ہے، بچپن کا یہ زمانہ بڑا ہی اہم ہوتا ہے؛ لیکن والدین بچوں کی طرف سے بالکل غافل رہتے ہیں، کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ بچہ کیا سیکھ رہا ہے، کن بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے، کوئی غلط بات تو نہیں سیکھ رہا، آپ نے دیکھا ہوگا کہ جو بچے گلی میں کھیلتے ہیں اس میں اچھے برے ہر طرح کے بچے ہوتے ہیں، آپ کو تعجب ہوتا ہے کہ اتنے چھوٹے بچے اور ایسی ایسی گالیاں؛ لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں، ماں نے بچوں کو گھر سے باہر چھوڑ دیا اب وہ جو چاہیں سیکھیں، اس میں کوئی تعجب نہیں۔

بچپن کا زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں جو بچے کے دماغ میں بیٹھ گیا وہ بالکل راسخ ہوجاتا ہے، اس تعلق سے والدین پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، ہم عام طور سے کہتے ہیں کہ بچہ جو اپنے والدین کو کرتا دیکھتا ہے اس کو خود کرنے لگتا ہے، جو عمل وہ والدین کو کرتا ہوا دیکھے گا اس کو کرنا شروع کردیگا، اس مرحلہ میں والد اور والدہ کو چاہیے کہ بچے کے سامنے اچھی اچھی باتیں کریں، اچھے قصے سنائیں، ان کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرامؓ کے واقعات سنائیں، اللہ تعالیٰ کا تعارف کرائیں، اللہ کی قدرت اور کائنات میں اس کی کاریگری بتائیں، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وتعلق پیدا کرنے کی کوشش کریں، بچے کی ایسی تربیت کریں کہ وہ ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے لگے، مثلاً کون کھلاتا ہے اللہ تعالیٰ، کون پلاتا ہے اللہ تعالیٰ، پیسے کون دیتا ہے اللہ تعالیٰ، سورج کون طلوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ، دن رات کون نکالتا ہے اللہ تعالیٰ، ہمیں ہر چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنی ہے، کسی کے سامنے کوئی سوال نہیں کرنا ہے، سوال صرف اللہ تعالیٰ سے کرنا ہے، سجدہ اللہ کے سوا کسی کے سامنے نہیں کرنا ہے، یہ سب بہت معمولی باتیں لگ رہی ہیں؛ لیکن ان سب باتوں کے نتائج کتنے دوررس ہوں گے، ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔

اس مرحلہ میں بچہ کی نفسیات کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے، بچپن میں بچہ کی نفسیات میں یہ بات داخل ہوتی ہے کہ وہ کچھ نیا کرنا چاہتا ہے یا نئی بات سیکھنا چاہتا ہے، وہ ایسی چیز کی تلاش وجستجو میں رہتا ہے جو اس کے لیے تعجب خیز ہو، تو والدین پر ضروری ہے کہ ایسے کھلونے اس کو دلائیں جس سے اس کا ذہن ودماغ تیز ہو، اس کو کچھ نیا سیکھنے کو ملے، اس کے سامنے کسی ایسی چیز کا نمونہ نہ آجائے جس کو وہ حاصل کرنے کی ضد کرے اور وہ اس کے لیے نقصان دہ ثابت ہو، کیونکہ اس کی نفسیات میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وہ ضدی ہوتا ہے، کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو اس کو حاصل کرنے کی ضد کرتا ہے۔

والدین کو چاہیے کہ بچے سے جس بات کا وعدہ کرلیں اس کو پورا کریں، اگر والدین نے وعدہ پورا نہ کیا تو وعدہ خلافی کی صفت غیر شعوری طور پر اس کے اندر گھر کرتی جائے گی، کبھی بچے کے سامنے جھوٹ نہ بولیں، کبھی کبھی بچوں سے دوسروں کو سامان دینے کی مشق کرائیں یا فقراء اور مساکین کو بچوں کے ہاتھوں سے پیسے دلائیں، اس سے ان کے اندر دینے کا جذبہ پیدا ہوگا، بچے سے کبھی کوئی غلطی ہوجائے تو باپ کا یا کسی بڑے کا خوف نہ دلائیں بلکہ ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ڈر خوف پیدا کریں۔

والدین کو چاہیے کہ بچہ کو اچھے اور نیک کاموں کی ترغیب دیں، ان کے اندر اچھے کام کرنے کا شوق پیدا کریں، بچوں کے ساتھ اس طرح پیش آئیں کہ وہ والدین کو اپنا دوست سمجھنے لگیں، بچوں کے ساتھ سختی سے پیش نہ آئیں، وہ والدین کے ساتھ ایسا گھل مل جائیں کہ ہر بات اپنے والدین سے شیئر کریں، کبھی کبھی خاندانی بچوں کے ساتھ بھی بہت سی باتیں بچے سیکھ لیتے ہیں بس اس بات کا خیال رہے کہ کوئی بری بات یا بری عادت بچے کو نہ پڑجائے، گفتگو کے آداب، ملاقات کے آداب، کوئی گھر آئے تو اس سے کس طرح ادب وشائستگی سے پیش آنا ہے یہ سب باتیں بچوں کو شروع سے سکھائی جائیں، دوسرے کے گھر جائیں تو بغیر اجازت کسی دوسرے کے سامان کو ہاتھ نہ لگائیں، ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ جو بات والدین بچے کو سکھائیں خود اس کی خلاف ورزی نہ کریں۔

ترتیب وپیشکش: محمد سلمان بجنوری ندوی

☆☆☆☆☆

فکر معاصر

سلطنت کا غرور اور عزت وعظمت کا نشہ

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

ہم اس وقت ایک ظالم اور متکبر بادشاہ کے سامنے ہیں، ایک ایسے سرکش حکمراں کے سامنے جس کی آنکھوں پر تکبر وسرکشی کی غلیظ چادر چڑھی ہوئی ہے اور جو اپنی حماقت اور کند ذہنی کی وجہ سے خدائی کا دعویدار ہے اور "أَنَا رَبُّكُمُ الأَعْلَىٰ" کا اعلان کررہا ہے، یہ اپنے وقت کا سب سے بڑا سرکش اور ظالم ومتکبر بادشاہ فرعون ہے۔

فرعون سرزمین مصر کا حکمراں، جس نے پوری قوم کو غلام بنا رکھا ہے اور رعایا کو انتہائی بے دست وپا سمجھ کر ذلت وغلامی کے بندھن میں جکڑ نا چاہتا ہے، وہ فرعون جو اشرف المخلوقات انسان کو جانور سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہیں، اور جس نے دنیا میں اپنے زمانے کی سب سے عظیم امت اور اپنے وقت کی بلند وبرتر قوم بنی اسرائیل کو ہمیشہ کے لیے قعر مذلت میں ڈھکیل دینے کے لیے پوری قوت صرف کردی ہے، وہ ایک نبی کی اولاد کو ذلیل ورسوا کرنا چاہتا ہے، اور اس کے لیے وہ اپنے آخری حربہ کو استعمال کررہا ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو فرعون کی یہ سرکشی، اس کا استکبار اور اس کی حماقت پسند نہیں آئی، اس نے چاہا کہ اس قوم کو عزت وبلندی کے اس مرتبہ پر قائم رکھے جو ان کا حق تھا اور غلامی اور ذلت کی تاریکیوں سے نکال کر ایک ایسی روشنی ان کو عطا کرے جو رہتی دنیا تک باقی رہے، اور جو آنے والی قوموں کے لیے مشعل ہدایت بن سکے، چنانچہ اس روشنی کا سب سے پہلا نور اسی قوم کے ایک نومولود بچے کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا، جن کا نام موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام ہے۔

موسیٰ علیہ السلام مختلف آزمائشوں اور امتحانات سے گذرنے کے بعد اب نورِ نبوت سے سرفراز ہوچکے ہیں۔ رحمت الٰہی ان پر سایہ فگن ہے، وہ فرعون سے مقابلہ کرنے کے جذبے سے سرشار ہیں، ظلم وتکبر کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہیں اور انسان کو اس کے حقیقی مرتبہ پر واپس لانے اور غلامی کی زنجیر سے نجات دلانے کے لیے پوری طرح کمربستہ، اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کی امانت عطا فرمائی اور ہر موقع پر اپنی مدد ان کے ساتھ رکھی، اور بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلانے کی ذمہ داری ان کے سپرد کردی اور اپنی پوری مدد کا ان کو یقین دلایا۔

یقین کی بے پناہ قوت اور ایمان کے جذبہ سے سرشار ہوکر حضرت موسیٰ علیہ السلام ظالم فرعون کے دربار میں پہنچے اور اس سے قوم کو آزاد کرنے کا مطالبہ کیا، ایمان کی دعوت دی اور خدائے واحد کو معبود ماننے کا مطالبہ کیا۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی یہ جرأت دیکھ کر کہا کہ اے موسیٰ! کیا تم وہی شخص نہیں ہو جس کی ہم نے بچپن میں پرورش کی اور تم ایک مدت تک یہاں مقیم رہے، اس کے باوجود جو کچھ تم نے کیا وہ کسی سے مخفی نہیں ہے، بلکہ وہ سراسر کفران نعمت ہے، احسان ناشناسی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے تلخ لہجے میں فرمایا کہ بنی اسرائیل کو تم نے غلام بنالیا، یہی وہ تمہارا احسان ہے جسے تم جتا رہے ہو، اے اللہ کے بندوں کو غلام بنانے والے ظالم حکمراں! تو نے میری قوم کو غلام بنایا، ان کو حقیر سمجھا اور طرح طرح سے ان کی توہین کی، کیا یہی تیرا وہ عظیم احسان ہے جو تو یاد دلا رہا ہے، اور احسان مند ہونے کا مطالبہ کررہا ہے۔؟!

موسیٰ علیہ السلام کی حق گوئی سے فرعون کا دربار گونج اٹھا، اور فرعون کی خدائی لاجواب ہوکر رہ گئی؛ لیکن سلطنت کے غرور اور عزت و عظمت کے نشہ نے فرعون کے اندر انتقام کی آگ بھڑکا دی، اس کے درباریوں نے اس آگ کو مزید ہوا دی، لوگوں نے کہا کہ: کیا آپ موسیٰؑ اور ان کی قوم کو اسی طرح چھوڑ دیں گے، تاکہ وہ زمین میں فساد برپا کریں اور وہ آپ اور آپ کے معبودوں سے منھ موڑ لیں۔

فرعون نے جواب دیا کہ وہ دن دور نہیں جب کہ ہم ان سے اس کا انتقام لیں گے اور ان کی عورتوں کو چھوڑ کر ان کے تمام مردوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور ان کو ہماری بالادستی کے سامنے جھکنا پڑے گا۔

موسیٰ علیہ السلام کی قوم فرعون کی یہ دھمکی سن کر گھبرا گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو اطمینان دلایا اور ان سے کہا کہ تم لوگ اللہ سے مدد طلب کرو اور صبر کرو اور یہ بھی یاد رکھو کہ زمین اللہ کی ہے، وہ جس کو چاہے اس کا وارث بنائے اور نیک انجام تو ہمیشہ اللہ سے ڈرنے

والوں کا رہا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ایمان کی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ فرعون کے جادوگروں نے جو خالص فرعون کے پروردہ اور اس کی رعایا تھے، اور فرعون کی خدائی اور اس کی ربوبیت کے معترف تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار ہوکر آئے تھے، انہوں نے بھی مقابلہ کی تاب نہ لاکر فرعون کے بھرے دربار میں صاف صاف اعلان کردیا کہ ہم موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لائے۔

''جادوگر سجدے میں گر گئے اور انہوں نے کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے جو موسیٰ اور ہارون کا رب ہے''۔

فرعون یہ کیفیت دیکھ کر غصے سے پاگل ہوگیا اور اس نے جادوگروں کو دھمکی دی کہ تم نے اس شہر کے لوگوں کو نکالنے کی سازش کی ہے تو اس کا انجام تم کو بھی معلوم ہوجائے گا، تمہارے ہاتھ پیر مخالف سمت سے کاٹ دوں گا اور تم سب کو سولی پر چڑھادوں گا۔

ایمان لانے والے جادوگروں نے نہایت بہادری اور جرأت کے ساتھ صاف صاف یہ اعلان کردیا کہ: ''تم کو جو کچھ کرنا ہو کرلو، زیادہ سے زیادہ تم ہماری اس دنیاوی زندگی کا خاتمہ کردو گے، ہم تو اپنے رب سے ملنے والے ہیں''۔

اس کے بعد فرعون کا جو حشر ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں، یہ مختصر سی کہانی ہے ایک ابھرتی ہوئی قوم کے مٹنے اور مٹتی ہوئی قوم کے ابھرنے کی، جو عبرتوں سے لبریز ہے اور جس میں قوموں کے عروج وزوال کی پوری تاریخ موجود ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام کو عملی طور پر زندگی میں برتنے کی کوشش

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

پرامن معاشرہ کے متعلق قرآن کریم کی واضح اور مفصل تعلیمات موجود ہیں، مومنین عقیدۂ توحید کے معاملہ میں بالکل فولاد ہیں؛ لیکن جب ان کے اخلاق ومعاملات پر نظر ڈالی جائے تو ریشم کی طرح نرم ہوتے ہیں، ایک صحیح العقیدہ مومن کی شان ہی یہی ہے کہ وہ عقیدۂ توحید میں فولاد کی طرح سخت اور معاملات واخلاق میں ریشم کی طرح نرم ہو، اس لیے کہ مومن کا عقیدہ اسے اللہ کے احکامات بجالانے کی دعوت دیتا ہے، اور گناہوں کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے، جب کسی معاشرہ میں فولاد کی سی سختی اور ریشم کی سی نرمی پیدا ہوجائے تو وہ ایک بہترین معاشرہ ہوتا ہے اور جب معاشرہ میں اجتماعی اور شخصی حقوق کے مابین توازن قائم ہوجائے تو یہ معاشرہ ممتاز معاشرہ بن جاتا ہے۔

اور جن لوگوں نے عصبیت سے بلند ہوکر صاف دل سے قرآن کا مطالعہ کیا انہوں قرآن کریم کی ان مثالی تعلیمات کا اعتراف کیا اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا۔

اس کے برعکس جب ہم اس معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں جس کی تشکیل تہذیب حاضر کی روشنی میں ہوئی ہے تو انتہا پسندی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، وہ ایک انتہا پسند معاشرہ ہے، نہ اس کی ایسی خصوصیات ہیں جو اس کی پہچان بن سکیں اور نہ ہی اس کے امتیازات ہیں جو اس کی شان ہوں، اس کی عمارت ہی غلط بنیادوں پر قائم ہے، اس کی اساس ہی تناقضات کا مجموعہ ہے، اس کا کوئی مرکزی عنصر اور محور نہیں سوائے خودغرضی اور لذت نفس کے۔

اسلام کا مطالعہ کرکے اسلام قبول کرنے والوں نے اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کی عملی زندگی میں تضاد کا شکوہ کیا ہے، انہوں اس بات سے اپنی حیرانی ظاہر کی کہ جب انہوں نے اسلام کو پڑھا تو اس کے نظام عدل سے اور اس کے قانون میں انسانیت کے احترام ووقار سے متاثر ہوئے؛ لیکن جب مسلمانوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے اور کسی مسلم اکثریت والے ملک میں رہنے کا موقع ملا تو کتابوں کے اسلام اور عملی زندگی کے اسلام میں بڑا فرق پایا۔

گویا کہ ہم آج ایسی باتوں کی دعوت دے رہے ہیں جن پر ہم خود اپنی عملی زندگی میں عمل نہیں کرتے، بلکہ ہماری عملی زندگی اور سلوک وکردار غیر مسلم سے مختلف نہیں، لہٰذا اسلام کی اشاعت وتعارف اور دعوت میں جو کوششیں کی جارہی ہیں وہ اس وقت تک ثمر آور نہیں ہوسکتیں جب تک ان کے ساتھ اسلام کو عملی طور پر زندگی میں برتنے کی کوشش نہ کی جائے۔

☆☆☆☆☆

خُلق عظیم

عالَم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے!

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

"وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ". [سورۃ السجدۃ: ۲۱] (اور ہم ضرور ان کو بڑے عذاب سے پہلے قریبی عذاب کا مزہ چکھائیں گے شاید وہ پلٹیں)۔

یہ آیت موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لیے تازیانۂ عبرت بھی ہے اور راہِ نجات بھی، عالم اسلام کی بات لمبی ہے، اس ملک میں مسلمانوں کے حالات کیا تھے اور کیا ہیں؟ آزادی کے بعد سے کیا ہوا اور ادھر چند سالوں سے کیا ہو رہا ہے؟ ہجومی تشدد (Mob lynching)، مدرسوں پر حملے اور پورے ملک کی ناموافق فضا، اس سے مسلمانوں نے کیا سبق لیا؟ مایوسی مسئلہ کا حل ہے یا خوابِ غفلت؟ واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا عمومی مزاج اس وقت دین سے دوری کا ایسا بن چکا ہے کہ سوچنے کا انداز بدل گیا ہے، نہ وہ قرآن مجید کی آیتوں سے سبق لینے کو تیار ہیں، اور نہ سیرت کے واقعات سے، غور وفکر کرنے والوں کا حال بھی یہ ہو چکا ہے کہ اگر وہ سامان حفاظت تلاش بھی کرتے ہیں تو وہ سامان غفلت ثابت ہوتا ہے۔

زندہ قومیں تاریخ سے سبق لیتی ہیں، جس کے پاس روشن تاریخ ہو، حقائق و واقعات کا ایک سلسلہ ہو، جس قوم کے اسلاف نے دنیا کو زیروزبر کیا ہو، وہ جہالت کی تاریکیوں میں ہاتھ پاؤں مارے، وہ ذلت وپستی کے غار میں گرتی چلی جائے، تابناک تاریخ کی کرنیں اس کے لیے صحیح روشنی کا سامان نہ کرسکیں اور وہ مایوسی کے بادلوں میں گھرتی چلی جائے، اس کا سبب ایک ہے اور صرف ایک، اس قوم نے سلف سے رابطہ توڑ لیا، صحابہ کی زندگی اس نے از کارِ رفتہ سمجھ لی، وہ بھول گئی کہ اس کی ترقی کا راز کیا تھا؟

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاران کی چوٹیوں سے جب حق کی آواز لگائی تو کس نے آپ کا ساتھ دیا، وہ صحابہ جو ہر طرح تمدن سے خالی تھے، پورے مکہ میں قلم تلاش کیا جاتا تو شاید ہی چند قلم دستیاب ہوتے، ان کے پاس کون سی حکومت یا طاقت تھی، یا انہوں نے کون سی سائنسی ترقیاں کرلی تھیں، ان کو جس طاقت نے زمین سے آسمان پر پہنچایا، اونٹوں کے چرانے والوں کو عالم کا گلہ بان بنایا، اور ساری دنیا کا ان کو معلم قرار دیا گیا، وہ صفت صرف ایمان و اخلاق کی تھی، اسی ایمان و اخلاق کی طاقت نے تاج خسروی ان کے قدموں میں ڈالا، یہی ایمانی طاقت تھی جس نے ربعی بن عامر کو رستم کے دربار میں ایسا جری کردیا کہ انہوں نے بھرے دربار میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردیا، یہ وہی اخلاق کی طاقت تھی جس نے سخت سے سخت دلوں کو موم کردیا، آج سب کچھ ہے لیکن یہی نہیں، یہ وہ بنیاد تھی جس پر سائنس کی فلک بوس عمارتیں تعمیر ہوئی تھیں، اسی بنیاد پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال تک پورے کروفر کے ساتھ دنیا پر حکومت کی تھی اور دنیا کو علم وحکمت اور امن وامان سے بھر دیا تھا۔

اس بنیاد کو پھر سے استوار کرنے کی ضرورت ہے، اس ملک میں بھی اسی ایمان و اخلاق کو دہرانے کی ضرورت ہے، جو خواجہ خواجگان فاتح ہندوستان حضرت خواجہ اجمیری کی وراثت ہے، تاریخ میں واقعہ لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب ہندوستان تشریف لا رہے تھے اور شہاب الدین غوری واپس جا رہا تھا، راستے میں ملاقات ہوئی تو سلطان نے کہا: حضرت! کہاں تشریف لے جا رہے ہیں، زمین بڑی سنگلاخ ہے، حضرت نے فرمایا: تم جسموں کو فتح کرنے گئے تھے، میں دلوں کو فتح کرنے جا رہا ہوں، پھر دنیا نے دیکھا:

جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ

اس بنیاد کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، موجودہ حالات میں اگر کوئی راستہ ہے تو صرف یہی ایک راستہ!

ان ہی حالات کے پیش نظر کسی عارف نے یہ بات کہی تھی: ''میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں، اس ملک کو اسپین بنانے کا پورا نقشہ تیار ہے''۔ اگر ہمارے علماء کھڑے نہ ہوئے اور انہوں نے اسلام کی حقیقت لوگوں کے سامنے نہ کھولی، برادران وطن کی غلط فہمیوں کو دور نہ کیا تو انتہائی خطرہ کی بات ہے، آج وہ خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے، مرد حق آگاہ نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب سمجھنے والے انگلیوں

پر گنے جاسکتے تھے، آج یہ ایک حقیقت بن چکی ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ قدم نہیں اٹھتے، ضرورت اس بات کی تھی کہ اپنی ساری مصروفیات اور شدید مصروفیات کو کچھ وقت کے لیے بالائے طاق رکھ کر لوگ دوڑ پڑتے، جاگتے اور جگاتے، اب وقت غفلت کا نہیں رہا، غیر ضروری چیزوں میں پڑنے کا نہیں رہا، خدانخواستہ اب بھی نہ جاگے تو آگے خدا ہی حافظ ہے، نہ مدرسوں کی خیر ہے نہ مسجدوں کی، نہ دکانیں سلامت رہیں گی نہ یہ بازار، یہ ملک جس کو جنت نشاں سمجھا جاتا تھا، یہ جہنم کدہ بن سکتا ہے، پھر کسی کی خیر نہیں، نہ اپنوں کی نہ غیروں کی، پانی سر سے اونچا ہو رہا ہے، پورے ملک میں آگ لگائی جارہی ہے، اس کو صرف ایمان واخلاق سے بجھایا جاسکتا ہے:

عالم یہ جل رہا ہے برس کر بجھایئے

انسان انسان ہے، اس کے اندر دھڑکتا ہوا دل ہے، وہ کچھ سمجھے نہ سمجھے، انسانیت کی بات آج بھی سمجھتا ہے، یقیناً ایسے دل بھی ہیں جو پتھر کی سل ہوچکے؛ لیکن اکثریت وہ ہے جس کے سینوں میں آج بھی انسانوں کے دل دھڑک رہے ہیں، ان کو دستک دینے کی ضرورت ہے، اس کے لیے ہم سب کو میدان عمل میں آنا ہوگا، اپنی افادیت ثابت کرنی پڑے گی، ایک نمونہ پیش کرنا ہوگا، اسلام کی پیشانی پر ہم نے بداخلاقیوں سے جو داغ دھبے ڈالے ہیں، ان کو صاف کرنا ہوگا، یہی اس وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے اور اسی سے غبار آلود مطلع صاف ہوسکتا ہے: فَهَلْ مِنْ مُّجِيبٍ!

☆☆☆☆☆

دولتِ عثمانیہ اور ترکی کی تاریخ — تحقیقی اور تجزیاتی مطالعہ

مولانا عتیق احمد بستوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

جلد اول (صفحات ۴۸۸) قیمت -/450

جلد دوم (صفحات: ۷۰۴) قیمت -/550

جلد سوم (صفحات: ۵۶۰) قیمت -/500

کل میزان -/Rs.1500

رعایت کے بعد مع ڈاک مصارف -/1000 روپئے میں دستیاب ہے۔

نئی مطبوعات دیدہ زیب طباعت دولت عثمانیہ اور ترکی کی تاریخ کی مفصل داستان آسان اور دلنشیں پرایۂ بیان میں لکھی گئی۔

دولتِ عثمانیہ کا عروج وزوال، سلطان عبدالحمید ثانی کے دورِ خلافت اور ان کے کارناموں کی تفصیل، خلافتِ اسلامیہ کو ختم کرنے کا سانحہ، انجمن اتحاد وترقی اور مصطفیٰ کمال پاشا کے دورِ حکومت کے اہم واقعات، ترکی میں اسلامی بیداری کے حوصلہ افزا اقدامات وحالات، سلطان عبدالحمید ثانی کی دو ڈائریاں، نیز موجودہ صدر ترکی رجب طیب اردوگان کے مؤمنانہ اقدامات۔

مجلس تحقیقات ونشریاتِ اسلام، لکھنؤ

ٹیگور مارگ، ندوہ کیمپس، ندوۃ العلماء، لکھنؤ

فون نمبر: 0522-2741539

موبائل نمبر 8318841286 / 9889378176

بارکوڈیا اکاؤنٹ نمبر کے ذریعہ رقم جمع کرا کر تینوں جلدیں حاصل کرسکتے ہیں۔

Account N0 10863759700

ACADEMY OF ISLAMIC RESEARCH & PUBLICATION

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH LUCKNOW

IFSC CODE SBIN0000125

راہِ عمل

طلاق شدہ خواتین - مسائل اور حل

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

بدقسمتی سے مطلقہ عورت کے نفقہ کے بارے میں بار بار عدالت کی طرف سے شریعت کے موقف کے خلاف فیصلے سامنے آتے ہیں، اور مسلم تنظیموں اور ذمہ دار شخصیتوں کی طرف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے، یہ ضروری بلکہ ایک شرعی فریضہ بھی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ صرف جواب دے دینا مسئلہ کا حل نہیں ہے؛ بلکہ طلاق کے واقعات سے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں، اور خاص کر مطلقہ عورتیں جن دشواریوں سے گزرتی ہیں، ان کا حل کرنا بھی ضروری ہے، علماء اور ملت کی ذمہ دار شخصیتوں کے لیے ضروری ہے کہ اس کے مثبت حل کی طرف مسلمانوں کی اور خاص کر مطلقہ عورت کے خاندان کو توجہ دلائیں، اگر ہم صرف فکری اور علمی طور پر معترضین کے سوالات کے جواب دیں تو اس سے زبانیں بند ہوسکتی ہیں؛ لیکن مسائل حل نہیں ہوں گے اور جب مسائل حل نہیں ہوں گے تو دل ودماغ بھی مطمئن نہیں ہوگا۔

اصل یہ ہے کہ نکاح ایک ایسا رشتہ ہے جس کے ذریعہ شوہر و بیوی کو جہاں شریک حیات اور غمگسار میسر آتا ہے، وہیں عورت اور بچوں کو ایک سہارا حاصل ہوتا ہے، عورت ذہنی یکسوئی کے ساتھ بچوں کی پرورش کرتی ہے، بچے اطمینان و سکون کے ساتھ تعلیم وتربیت میں مشغول ہوتے ہیں، شوہر کسبِ معاش کی تگ ودو میں اپنے آپ کو مصروف رکھتا ہے اور گھریلو ذمہ داریوں سے آزاد رہتا ہے، اگر کسی وجہ سے یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو عورت سب سے زیادہ دشواریوں سے دوچار ہوتی ہے، اس کے لیے خود اپنی زندگی بوجھ بن جاتی ہے اور بچے چوں کہ ماں کی ممتا کے بغیر زندگی کے ناہموار راستوں کا سفر طے نہیں کرسکتے؛ اس لیے جیسے ایک مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں میں چھپائے رکھتی ہے؛ اسی طرح ماں اپنی بے سہارگی کے باوجود بچوں کو اپنے سینہ سے چمٹائے رکھتی ہے اور بچے بھی ماں کی گود میں جو سکون وراحت محسوس کرتے ہیں، سونے کی پلنگ بھی انھیں وہ راحت نہیں پہنچاسکتی؛ اسی لیے اگر رشتہ ٹوٹ جائے اور طلاق کی نوبت آجائے تو خاندان بکھر جاتا ہے اور ماں اور بچے بے سہارا ہوجاتے ہیں۔

ایسے مسائل کو حل کرنے کے لیے شریعت نے نفقہ وکفالت کا ایک پورا نظام رکھا ہے اور اس میں عورت اور چھوٹے بچوں کی خصوصی رعایت کی گئی ہے، افسوس کہ ہمارے سماج میں ایک تو طلاق کے بیجا واقعات پیش آتے ہیں، اور اگر طلاق کا واقعہ پیش آہی گیا تو طلاق کے بعد مطلّقہ عورت اور بچوں سے متعلق جن حضرات کی جو ذمہ داریاں ہیں، وہ ان کو ادا نہیں کرتے، اس کی وجہ سے بہت سے سماجی مسائل پیدا ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی کوتاہ عملی کی وجہ سے اسلام کی بدنامی ہوتی ہے اور لوگوں کو شریعت اسلامی پر زبان کھولنے کا موقع ملتا ہے۔

اگر کسی عورت کو طلاق دی جائے تو عدت کا نفقہ تو واجب ہے ہی، [المحیط البرہانی: ج۳/ص ۵۵۳] اور بہتر ہے کہ یکمشت کوئی رقم بھی دے دی جائے؛ تاکہ مستقبل کی زندگی کے لیے کوئی سہارا بن سکے، اس کو ''متاع'' کہتے ہیں، قرآن مجید نے متاع دینے کی ترغیب دی ہے: وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ [البقرۃ:۲۴۱] اور متاع کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، یہ طلاق دینے والے مرد کی استطاعت اور اس کے ظرف کے اعتبار سے ہے کہ جس عورت کے ساتھ وہ زندگی گزار چکا ہے اور جس کو زندگی کی راہ میں اس نے تنہا چھوڑ کر بے وفائی کا ارتکاب کیا ہے، وہ اس کے ساتھ کیا حسن سلوک کرسکتا ہے؛ تاکہ اس کی اس حرکت کی کچھ تلافی ہوسکے۔

لیکن عدت کے خرچ اور متاع کے علاوہ بعض اور ذمہ داریاں ہیں، جو اکثر حالات میں طلاق دینے والے شخص پر عائد ہوتی ہے اور وہ دو ہیں: ایک یہ کہ اگر اس کے بچے بھی ہیں تو وہ ان کا مناسب نفقہ ادا کرے، جس سے خوراک، پوشاک، علاج، تعلیم اور رہائش کی ضرورت پوری ہو، اور وہ جس سماج میں رہتا ہے، اس سماج کے معیار کے مطابق پوری ہو، اگر اس نے دوسرا نکاح کیا اور دوسری بیوی اور اس سے پیدا ہونے والے بچے اس کے ساتھ ہیں اور مطلّقہ بیوی سے پیدا ہونے والے بچے اپنی ماں کے ساتھ ہیں تو جس معیار کے مطابق اپنے ساتھ رہنے والے بچے کی پرورش کرتا ہے، ضروری ہے کہ اسی معیار کے مطابق اپنی سابقہ بیوی سے ہونے والے بچے کی بھی پرورش کرے، اگر اس نے ان دونوں بچوں کے درمیان مساوات اور برابری کا معاملہ نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس کی باز پرس ہوگی، اگر اپنی اولاد کے درمیان برابری کا برتاؤ نہیں کیا جائے، یا ایک بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں اور دوسری بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کے درمیان برابری کا معاملہ نہ کرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جور (ظلم) قرار دیا ہے۔

[صحیح مسلم، حدیث نمبر:۱۶۲۳]

صاحب اولاد مطلّقہ عورت کا دوسرا حق یہ ہے کہ جب تک وہ عورت ان بچوں کی پرورش کرتی رہے، اس وقت تک اس عورت کو پرورش اور نگہداشت کے عمل کی اُجرت دی جائے، جس کو فقہ کی اصطلاح میں ''اُجرت حضانت'' کہتے ہیں، [البنایہ: ج۵/ ج۶۴۴] یہ اُجرت اتنی ہونی چاہیے کہ عورت کے کھانے پینے کی، لباس و پوشاک کی اور علاج و معالجہ کی ضرورت پوری ہوجائے، اور یہ بھی واجب ہوگا کہ اس کے لیے مناسب رہائش کا انتظام کرے، [ردالمحتار: ج۳/ ص ۵۶۱] گویا جب تک عورت طلاق دینے والے سابق شوہر کے بچوں کی پرورش کررہی ہے، نفقہ کے بقدر اس کی اُجرت ادا کرنا واجب ہے اور حق پرورش لڑکوں کے سات آٹھ سال تک اور لڑکیوں کے بالغ ہونے تک ماں کو حاصل ہوتا ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے پر ہے، [العنایۃ: ج۴/ ج۳۷۱] امام مالکؒ کے نزدیک لڑکی اگر بالغ بھی ہوجائے تو جب تک اس کی شادی نہ ہوجائے، ماں پرورش کی حقدار ہے، [البیان والتحصیل: ج۵/ص۱۲۰] اور موجودہ دور میں یہی رائے زیادہ قابل عمل ہے، جوان لڑکی کو تنہا باپ کی پرورش میں دے دینا یا ایسی جگہ رکھ دینا جہاں اس کے قریب العمر سوتیلے بھائی بھی رہتے ہوں، فتنہ سے خالی نہیں ہے، ماں جس طرح بیٹی کی عفت وعصمت اور عزت و آبرو کی نگہداشت کرسکتی ہے نہ باپ کرسکتا ہے اور نہ سوتیلی ماں سے اس کی اُمید کی جاسکتی ہے، اس طرح طلاق پانے والی عورت کو پانچ دس سال کی ایسی مہلت مل جاتی ہے جس میں اس کو اپنے گذران کا سہارا ہوجاتا ہے اور یہ ایسی مدت ہوتی ہے جس میں وہ اپنی زندگی کو ایڈجسٹ کرسکتی ہے۔

مطلّقہ عورت سے متعلق بڑی ذمہ داری اس کے باپ کی ہے، اگر طلاق دینے والا مرد موجود نہ ہو، یا عورت کو ضروریات زندگی حاصل نہیں ہو پارہی ہو، خواہ اس لیے کہ کسی بچہ کی پرورش اس کے ذمہ نہیں ہے، کہ وہ اُجرتِ پرورش کی مقدار ہو، یا اس لیے کہ مرد کو دینا چاہیے؛ لیکن اللہ سے بے خوفی اور اپنی ذمہ داری سے غفلت کی بنا پر وہ اپنا فریضہ ادا نہیں کرتا، ان تمام صورتوں میں باپ کی ذمہ داری ہے کہ بیٹی کا نفقہ ادا کرے، اس کے پیدا ہونے کے وقت جس طرح اس نے اس کا استقبال کیا تھا، اسی طرح خدانخواستہ وہ بیوہ یا مطلقہ ہوکر واپس آتی ہے تو اس وقت بھی اس کا استقبال کرے اور اسے بوجھ نہ سمجھے؛ کیوں کہ وہ اسی کے دل کا ٹکڑا اور اسی کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

نفقہ کے معاملہ میں شریعت نے بیٹی کو بیٹے پر مقدم رکھا ہے، بیٹا اگر بالغ ہوجائے تو باپ پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری باقی نہیں رہتی، [فتاویٰ قاضی خاں علی الہندیۃ: ج۱/ص۲۱۹] اسی طرح اگر بیٹا کسبِ معاش پر قادر ہے تو باپ اسے مجبور کرسکتا ہے کہ وہ خود محنت کرے اور اپنی روزی روٹی کے مسائل کو حل کرے؛ لیکن اگر لڑکی بالغ ہوجائے تو جب تک اس کی شادی نہ ہوجائے، باپ پر اس کا نفقہ واجب ہے، [فتح القدیر: ج۴/ص۴۱۰] اور اگر وہ کسبِ معاش پر قادر ہو تب بھی باپ اسے اس پر مجبور نہیں کرسکتا، [فتح القدیر: ج۴/ص۴۱۰] اسی طرح اگر بیٹی بیوہ ہوجائے یا اسے طلاق دے دی جائے اور اس کے پاس اتنی دولت نہیں ہو کہ وہ خود اپنی ضروریات پوری کرسکے تو پھر والد پر اس کے نفقہ کی ذمہ داری لوٹ آئے گی اور اس پر بیٹی کے اخراجات پورے کرنا ضروری ہوگا، [فتح القدیر: ج۴/ص۴۱۰] نیز باپ کا یہ نفقہ ادا کرنا بطور احسان کے نہیں ہے؛ بلکہ یہ اس کا شرعی فریضہ ہے؛ اس لیے اس کے دوسرے بیٹے اور بیٹیوں کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ کو اپنی بہن پر خرچ کرنے سے روک دے۔

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جیسے دوسرے لوگوں پر خرچ کرنا باعث اجر وثواب ہے، اسی طرح اپنی اولاد پر خرچ کرنے میں بھی ثواب ہے؛ چنانچہ حضرت ابن مسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی مسلمان اپنے بال بچوں پر اخلاص کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے تو اس میں بھی صدقہ کا ثواب ہوتا ہے: اذا أنفق المسلم نفقة على أهله وهو يحتسبها كانت له صدقة [صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۵۳۵۱] اور خاص کر بیوہ عورت کی خدمت واعانت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، حضرت ابوہریرہؓ آپ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ بیوہ عورت کی خدمت کرنے والا اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی طرح، یا اس شخص کی طرح ہے، جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور دن میں روزہ رکھتا ہو: كالمجاهد في سبيل الله و كالقائم الليل، والصائم النهار [صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۶۰۰۶] ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا، جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یتیم یا بیوہ کی کفالت کرنے والے کو بھی شمار کیا: من كلف يتيماً أو أرملة أظله الله في ظله وأدخله جنته [المعجم الاوسط: ج۸/ص۱۱۷، حدیث نمبر: ۹۲۹۲] نیز حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے قریب بالکل آخر آخر میں تین باتوں کی نصیحت فرمائی: نماز کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو، غلاموں کے معاملہ میں

اللہ سے ڈرو، دو کمزور لوگوں - بیوہ عورت اور یتیم بچہ - کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو۔
[شعب الایمان: ج ۱۳/ص ۴۰۴۰]

جو حکم بیوہ کا ہے وہی حکم بہ درجۂ اولیٰ اس مطلقہ عورت کا ہے، جس کا کوئی سہارا نہیں؛ کیوں کہ بیوہ کو لوگ رحم کا مستحق سمجھتے ہیں اور مطلقہ کے بارے میں عام طور پر یہ سوچ ہوتی ہے کہ اس کو اس کی بدزبانی و بداخلاقی کی وجہ سے طلاق دی گئی ہوگی؛ اس لیے رحم کا جذبہ کم ہوتا ہے، اور اس کی مجبوری اور بڑھی ہوئی ہوتی ہے؛ حالاں کہ طلاق کے اکثر واقعات میں مرد کی زیادتی ہوتی ہے نہ کہ عورت کی؛ اس لیے وہ زیادہ رحم کی مستحق ہے، پس جو اجر کسی بیوہ کی پرورش میں ہے، مطلقہ کی پرورش میں بدرجہ اولیٰ ہوگا اور اگر وہ مطلقہ بیٹی یا بہن وغیرہ ہو تو اس میں اجر اور بھی بڑھ جائے گا؛ کیوں کہ یہ ایک بے کس اور ضرورت مند کی مدد بھی ہے اور رشتہ داری کا پاس ولحاظ بھی۔

اگر مطلقہ کے پاس خود اپنے نفقہ کا سامان نہ ہو، اور والد بھی نہ ہوں تو پھر ان کے نفقہ کی ذمہ داری دوسرے محرم رشتہ داروں سے متعلق ہوجاتی ہے:

نفقة الإخوة والأخوات والأعمام والعمات والأخوال والخالات واجبة بشرط العجز مع قيام الحاجة [عمدۃ القاری: ج ۲۱/ص ۱۳] (بھائیوں بہنوں، چچاؤں پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کا نفقہ واجب ہے؛ بشرطیکہ وہ ضرورت مند ہوں اور خود کسب معاش سے قاصر ہوں)۔

بہت بڑے حنفی فقیہ علامہ سرخسیؒ نے صراحت کی ہے کہ یہ جو مختلف رشتہ داروں پر نفقہ واجب ہوتا ہے، یہ صرف مستحب یا مستحسن نہیں ہے؛ بلکہ واجب ہے؛ اس لیے محرم رشتہ دار بچوں، عورتوں اور معذور مردوں کا نفقہ ادا کرنے پر مجبور کیا جائے گا: يجبر على نفقة كل ذي رحم محرم منه الصغار والنساء وأهل الزمانة من الرجال.
[المبسوط للسرخسی: ج ۵/ص ۲۲۳]

لیکن اللہ سے بے خوفی، احکام شریعت سے بے اعتنائی، رشتوں کے معاملہ میں بے مروتی اور خود غرضی کی وجہ سے آج کل والدین اور دادا، دادی کے علاوہ دوسرے لوگوں سے یہ توقع رکھنا صحراء سے پانی کی اُمید رکھنے کے مترادف ہے کہ وہ احکامِ شریعت کے مطابق مطلقہ خواتین کا نفقہ ادا کریں گے؛ اس لیے والدین کی موجودگی میں بیٹی اگر خدانخواستہ طلاق یا بیوگی سے دوچار ہوجائے تو اولاً تو اس کے نکاحِ ثانی کی فکر کرنی چاہیے، قرآن نے ایسے لوگوں کے نکاح کا حکم دیا ہے: وأَنْكِحُوا الأَيَامٰى مِنْكُمْ [سورۂ نور: ۳۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں جوں ہی کوئی خاتون بیوہ یا مطلقہ ہوتی تھی، جلد سے جلد ان کا نکاح کردیا جاتا تھا، عدت گذرنے سے پہلے ہی ان کے رشتے آنے لگتے تھے؛ اس لیے قرآن مجید نے عدت وفات گذرنے سے پہلے رشتہ طے کرنے کو منع فرمایا، [سورۂ بقرہ: ۲۳۲] اس طرح نہ صرف ان کی کفالت ہوتی تھی؛ بلکہ ان کو ایک مکمل خاندان مل جاتا تھا، افسوس کہ آج کل والدین ایسی خواتین کے نکاح کی طرف توجہ نہیں دیتے، بعض اوقات ایک نوجوان لڑکی بیوہ ہوتی ہے اور اسے پوری زندگی بیوگی میں گزارنا پڑتا ہے، وہ خود حیا سے کہہ نہیں پاتی اور ماں باپ توجہ نہیں دیتے ہیں، غور کیجیے یہ خواتین کے ساتھ کتنا بڑا ظلم ہے، اگر کوئی شوہر یا بیوی چند دنوں ایک دوسرے سے دُور رہیں تو یہ چیز ان کو ذہنی طور پر بے سکون کردیتی ہے، تو ایک لڑکی کو زندگی بھر تجرد کی سزا دی جائے، کیا یہ انصاف کی بات ہے؛ اس لیے ان کے نکاح کی فکر کرنی چاہیے، اور اگر وہ خود حیا کریں تو ان کو سمجھانا چاہیے؛ لیکن اگر کسی وجہ سے ان کا نکاح نہ ہوسکے تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ ان کی کفالت کا مناسب انتظام کیا جائے، اس انتظام کی ایک شکل یہ ہے کہ والدین اپنی جائیداد کا ایک حصہ ایسی بے سہارا بیٹی کو ہبہ کردیں، جس سے آئندہ اس کی گذرِ اوقات کا انتظام ہوسکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عام حالات میں اس بات کو ناپسند فرمایا ہے کہ اولاد کے درمیان نابرابری برتی جائے، اولاد میں سے کسی کو کوئی چیز دی جائے اور دوسرے کو نہیں دی جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح کا ایک معاملہ آیا، حضرت بشیر بن سعدؓ نے اپنے صاحبزادہ نعمان ابن بشیرؓ کو کوئی خاص چیز خصوصی طور پر ہبہ کرنی چاہی اور ان کی خواہش تھی کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ بنایا جائے؛ چنانچہ وہ خدمت اِقدس میں حاضر ہوئے، اور اپنی گزارش پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم نے اپنے تمام بچوں کو یہ چیز دی ہے؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر میں ایسے نامنصفانہ اور ظالمانہ عمل پر گواہ نہیں بن سکتا: لا أشهد على الجور [نسائی، حدیث نمبر: ۳۷۱۱] چنانچہ وہ اس سے باز آگئے؛ لیکن یہ حکم عام حالات کے لیے ہے، اگر خصوصی حالات کی بنیاد پر کسی کو زیادہ دے دیا جائے، یا اولاد میں سے ایک کو دیا جائے اور دوسرے کو نہ دیا جائے تو وہ اس ممانعت میں شامل نہیں ہے، مثلاً ایک شخص کے کئی بچے ہیں، بعضوں نے تعلیم حاصل نہیں کی، بعض کاروبار میں لگ گئے؛ لیکن ایک بیٹا تعلیم کی طرف متوجہ ہے اور اس نے میڈیکل انٹرسٹ پاس کرلیا ہے تو اب باپ ایک خطیر رقم اس کی فیس پر ادا کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں؛ کیوں کہ یہ ایک خاص مصلحت کی وجہ سے ہے، اگر ایسا نہ ہو تو ایک بچہ

کے جاہل رہنے کی وجہ سے یا اس کی تعلیم کے وقت والد کے تنگ دست ہونے کی وجہ سے تمام ہی بچوں کو اعلیٰ تعلیم سے محروم رکھنا پڑے گا، ظاہر ہے کہ یہ شریعت کے مزاج کے مطابق نہیں ہے۔

اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ اگرچہ تمام اولاد کے درمیان مساویانہ سلوک کرنا چاہیے، اور یہی بہتر ہے؛ لیکن یہ ہر حال میں واجب نہیں ہے، اگر اولاد میں سے کسی کی مجبوری یا اس کی کسی خاص ضرورت کی وجہ سے اس کو خصوصی طور پر کچھ زیادہ دیدے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے: و إن كان بعض أولاده مشتغلا بالعلم دون الكسب لا بأس بأن يفضله على غيره [مجمع الانہر: ج۲/ص۳۵۸۱] صحابہؓ کے دور میں بھی ایسی متعدد مثالیں ملتی ہیں کہ انھوں نے اپنی اولاد میں سے بعض کو عطیہ دینے میں ترجیح دی، حضرت ابوبکر صدیقؓ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کو کھجور کی پیداوار میں سے بیس وسق (اس زمانہ کا ایک پیمانہ) اپنے تمام بچوں کے مقابلہ زیادہ دیا کرتے تھے، حضرت عمرؓ کو اپنے صاحبزادہ حضرت عاصمؓ سے خصوصی اُنس تھا؛ چنانچہ انھوں نے ان کو خصوصی طور پر کچھ چیزیں عطا فرمائی تھیں، [شرح السنہ للبغوی: ج ۸/ ص۲۹۷] حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو عقبہ بن ابی معیط کی بیٹی اُم کلثوم سے ایک صاحبزادی تھی، انھوں نے ان کو اپنی دوسری اولاد کے مقابلہ چار ہزار درہم زیادہ عنایت فرمائے، [عمدۃ القاری: ج ۱/ص ۱۴۷] غرض کہ ماں باپ کے لیے گنجائش ہے کہ اپنی اولاد میں سے کسی کی خصوصی حالت اور ضرورت کو دیکھتے ہوئے اس کو جائیداد کا کوئی حصہ اضافی طور پر ہبہ کردے؛ اس لیے اگر والدین کے اندر استطاعت ہو اور خدانخواستہ کوئی بیٹی ایسی حالت سے دوچار ہو اور اس کے اندر ایسی صلاحیت نہیں ہو کہ وہ خود کسبِ معاش کرسکے تو بہتر ہے کہ اس کے لیے کچھ سرمایہ محفوظ کردے، یا اپنی زمین ومکان کا کوئی حصہ ہبہ کردے، جو اس کے لیے سہارا بن سکے۔

اگر والد موجود نہ ہوں یا اس موقف میں نہ ہوں کہ اس کی کفالت کرسکیں تو پھر خاندان کے لوگوں کو اجتماعی طور پر اس ذمہ داری کو انجام دینا چاہیے، جیسے اگر مطلقہ عورت کے چار بھائی ہیں تو چاروں مل کر اس کے خرچ کو اپنے اوپر تقسیم کرلیں، اگر اس کے کئی چچا یا کئی ماموں ہوں تو ان سب کو مل کر اس ذمہ داری کو ادا کرنا چاہیے، ورنہ عنداللہ سب کے سب جوابدہ ہوں گے، اور حق تلفی ایسا گناہ ہے کہ انسان کی عبادتیں بھی اس کی تلافی نہیں کرسکتیں، کیا بہتر ہو کہ مسلم سماج میں خاندان کا ایک اجتماعی نظام تکافل ہو، جیسے ایک شخص کے تحت آنے والی دو پشتیں، بیٹا، باپ اور دادا مل کر ایسا نظام بنائیں کہ اگر خاندان کی کوئی عورت بیوہ ہوجائے یا طلاق کی نوبت آجائے یا اس کا شوہر معذور ومفلوج ہو اور اس کے لیے کوئی سہارا نہیں ہو، تو ہم اجتماعی طور پر ایسی خواتین کی کفالت کریں گے، اگر خاندان کی دو پشتوں کو سامنے رکھا جائے، جو دادا سے لے کر پوتوں تک ہو تو عام طور پر اس کی تعداد پچیس تیس تک پہنچ جاتی ہے، اس میں دس پندرہ افراد کمانے والے ہوتے ہیں اور ان کمانے والوں میں بعض پر زکوٰۃ بھی واجب ہوتی ہے اور خاندان کے اس مختصر ڈھانچہ میں بمشکل ایک آدھ ایسی مطلقہ یا بیوہ عورت ہوسکتی ہے، جن کی اولاد کمانے اور ان کی کفالت کرنے کے لائق نہیں ہوئی ہو، اتنے سارے افراد مل کر بآسانی ایسی ایک آدھ بیوہ ومطلقہ عورت کی بے سہارگی کو دُور کرسکتے ہیں، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی ہے، حضور کے چچاؤں میں حضرت ابو طالب غریب تھے، دوسرے چچا حضرت عباسؓ صاحب ثروت تھے اور حضرت خدیجہؓ سے نکاح کے بعد خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی حالت بھی بہتر ہوگئی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر حضرت عباسؓ کو تیار کیا اور حضرت ابوطالب سے پیشکش کی کہ ہم دونوں آپ کے بچوں کی کفالت کی ذمہ داری قبول کرنا چاہتے ہیں، حضرت ابوطالب حضرت عقیل کو تو اپنے پاس سے ہٹانے پر آمادہ نہیں ہوئے؛ لیکن حضرت علیؓ کو آپ کی اور حضرت جعفرؓ کو حضرت عباسؓ کی کفالت میں دے دیا، پس اپنے اعزہ کی کفالت کرنا اور ان کا سہارا بننا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

افسوس کہ اُمت میں ترجیحات کا شعور ختم ہوگیا ہے، بعض حضرات بار بار عمرہ کی سعادت حاصل کرتے ہیں، حج نفل ادا کرتے ہیں، مسجد کی تزئین وآرائش پر لاکھوں روپیہ خرچ کرتے ہیں، چھوٹی سی آبادی جہاں سو پچاس مصلی بھی جمع نہیں ہوتے، وہاں لق ودق مسجد تعمیر کرتے ہیں، پہلے سے اچھی خاصی مسجد موجود ہوتی ہے؛ لیکن اس کو منہدم کرکے پرشکوہ مسجد بناتے ہیں؛ حالاں کہ ایسا نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے نماز کی قبولیت بڑھ جائے؛ لیکن صلہ رحمی کا جو فریضہ شریعت کی طرف سے عائد کیا گیا ہے، اس سے غافل ہیں، ایک بے سہارا عورت کی سسکیاں ان کے گوشِ دل تک نہیں پہنچ پاتیں، اور باپ کی شفقت ومحبت سے محروم بچوں کے آنسو انھیں تڑپانے سے عاجز ہیں، ہماری یہ بے شعوری نہ صرف سماج میں ظلم وناانصافی کو بڑھاوا دیتی ہے؛ بلکہ اس سے اخلاقی مفاسد پیدا ہوتے ہیں اور لوگوں کو شریعت اسلامی پر زبان کھولنے اور انگلیاں اُٹھانے کا موقع ملتا ہے، کاش! ہم سماج کے اس فراموش کردہ طبقہ پر بھی محبت کی نگاہ ڈالیں اور ایمانی تقاضوں کو پورا کریں۔

☆☆☆☆☆

پرانے چراغ

آخری قسط

مفکر اسلام علیہ الرحمہ سے وابستہ کچھ یادیں

مولانا وقار عظیم ندوی

عالمیت کے آخری سال میں ندوہ کی روایت کے مطابق جمالیہ ہال میں جلسہ ہوا۔ حضرت نے دو خاص نصیحتیں فرمائیں۔ ایک تو یہ کہ آج یہ تخصص کی دنیا ہے۔ ہر طالب علم کو اپنا ایک میدان اختیار کرنا چاہیے۔ دوسری نصیحت یہ تھی کہ کوئی ہزاروں دلیل کا انبار لگادے، ہمیں سلف اور فقہائے اربعہ کی رائے کے دائرہ سے باہر نہیں جانا چاہیے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی مسلک یہی ہے۔ تیسری بات حضرت نے یہ فرمایا کہ جب ایک طالب علم کا تعلیمی مرحلہ مکمل ہوتا ہے تو وہ فارغ التحصیل نہیں ہوتا۔ جس نے خود کو فارغ سمجھا وہ علم سے فارغ ہوا۔ خود کو ہمیشہ طالب علم بنا کر رکھنا چاہیے۔

عالمیت کے چند ماہ بعد میں جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ چلا گیا۔ پھر تھوڑے عرصہ بعد حضرت مولاناؒ حجاز تشریف لائے۔ مدینہ منورہ میں کچھ روز قیام کے بعد مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے بڑے صاحبزادے سعدؒ بھائی کی گاڑی سے حضرتؒ مکہ مکرمہ تشریف لے گے۔ بھائی طارق عسکریؒ کے علاوہ مجھے بھی ساتھ چلنے کی اجازت ملی۔ سب احرام میں تھے۔ میرا یہ پہلا عمرہ تھا۔ حرم پہونچ کر حضرتؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: چلو آج میں تمہارا معلم ہوں۔ طواف میں رکن یمانی تا حجر اسود کی دعا" رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ" اور طواف میں دعا" رب اغفر وارحم وتجاوز عما تعلم، إنك أنت الأعز الأكرم" کی تلقین فرمائی۔ یہ میرے لیے بڑے شرف کی بات تھی۔ اس کے بعد اللہ کے فضل سے متعدد بار حرم حاضری ہوتی رہی اور ہر بار طواف وسعی میں حضرت نگاہوں میں گھوم جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو ان شفقتوں کی بھرپور جزائے خیر دے۔

مکہ مکرمہ اور جدہ میں بھی چند بار حضرتؒ کے کاتب املا بننے کا شرف مجھے حاصل ہوا۔ حضرتؒ کا قیام عموماً مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے یہاں شارع المنصور پر ہوتا تھا۔ ایک بار حضرت املا کے کام میں یکسوئی کی خاطر مکہ مکرمہ میں نور ولی خاندان کے کسی گھر تشریف لے گئے۔ پہاڑی پر گھومتی ہوئی تنگ گلیوں سے ہوکر وہاں پہونچے۔ حضرت نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ کر فرمایا:"أهل مكة أدرى بشعابها" جو عربی کی مشہور مثل ہے، املا کروانے کے دوران نیچے گلی سے ایک آواز سنائی دی: شيلي قمامة (گمامہ) حضرت چونک گئے۔ حضرت کی کوئی پرانی یاد تازہ ہوگئی تھی۔ فرمایا یہ مکہ کی خاص چیز تھی۔ غریب تکرونی عورتیں گلیوں میں گھوم کر آواز لگاتی تھیں "کوڑا اٹھوالو"۔ چونکہ حضرت آزادیٔ ہند کے پہلے سے حجاز تشریف لے جارہے تھے اس لیے قدیم حجاز کی تہذیبی جھلکیاں آپ کی یادداشت میں مرتسم تھیں۔ انھیں میں "شیلی گمامہ" کی آواز تھی۔ حضرت کے پرانے سفرناموں اور خطوط میں کچھ وہ جھلکیاں اور ان کے نام آئے ہیں جو اب ناپید ہو چکے ہیں مثلاً کوشان یا خشب خشب کی پکار ہے۔

جامعہ اسلامیہ کے چار سال کے قیام کے دوران حضرتؒ بار ہا حجاز تشریف لائے۔ وہاں آمد کے دوران حضرت کی مختلف اداروں میں تقریریں ہوتیں جن میں اکثر مدون اور مطبوع ہیں۔ ایک بار دارالحدیث مدینہ منورہ میں ندوی طلبہ سے گفتگو کی۔ حضرت نے تعلیم پر توجہ دینے اور مطالعہ کو وسعت دینے پر زور دیا۔ حضرت نے فرمایا تھا کہ اگر تم لوگوں کو احمد امین بننا ہے تو تم کو وہ کچھ پڑھنا پڑے گا جو احمد امین نے پڑھا ہوگا۔ صرف احمد امین کو پڑھ کر تم لوگ احمد امین نہیں بن سکتے۔ اسی مجلس میں حضرت نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میں شیخ عبدالعزیز بن باز کو ولی اللہ گردانتا ہوں۔

حضرت مولاناؒ نے گلوکوما کا ہندوستان میں کئی بار آپریشن کروایا تھا جو زیادہ نتیجہ خیز نہیں رہے تھے۔ بالآخر امریکہ میں کامیاب آپریشن ہوا۔ واپسی پر حضرت نے "تعمیر حیات" میں شائع ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ امریکہ میں سب کچھ دیکھا مگر انسان نہیں نظر آئے۔ اسی خیال کو لے کر "الرائد" میں میرا ایک مضمون "الإنسان المفقود في أمريكا" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت مدینہ منورہ تشریف لائے۔ مضمون کا خود ہی ذکر کیا اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔ اس سفر کے دوران مدینہ منورہ میں فرمایا: "آؤ بھائی تمہیں دیکھوں" امریکہ میں آپریشن کے بعد بصارت بہتر ہوگئی تھی تو اپنے کئی متعلقین سے حضرت نے یہی فرمایا تھا۔ مجھے اب تک شفقت بھرے اس جملہ کی لذت محسوس ہوتی ہے۔

ایک بار حضرت سے میں نے بستان نور ولی میں کچھ سوالات کیے۔ سوال اور جواب کو باختصار ذکر کرتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ حضرت مریم کی پیدائش پر ان کی والدہ نے "ليس الذكر كالأنثى" کیوں کہا جب کہ کہنے کا موقع یہ تھا کہ "ليست الأنثى كالذكر"۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر اس طرح کہتیں تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کی ناقدری ہوتی۔ انسان کسی خلش کی وجہ

سے کبھی بات کو الٹ کر کہتا ہے مثلاً "إنما البیع مثل الربو" جب کہ کہنا یہ تھا کہ "إنما الربو مثل البیع" تفسیر کی کتابوں میں دونوں آیتوں کی اور بھی توجیہات مذکور ہیں؛ لیکن حضرت کی تشریح انسانی نفسیات سے مجھے زیادہ قریب لگتی ہے۔

ایک سوال حضرت کی سیرت کی کتاب کے بارے میں تھا جو نئی چھپ کر آئی تھی۔ حضرت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر طائف میں دل شکنی اور کچھ مدت بعد معراج سے نوازے جانے میں ربط تلاش کیا ہے۔ رب العالمین کی طرف سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری کو معراج کی منجملہ حکمتوں میں شمار کیا ہے۔ میرا سوال تھا کہ یہ ربط آپ کا اپنا استنتاج ہے یا کہیں سے ماخوذ ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ اس پہلو کو کہیں سے اخذ نہیں کیا ہے۔ مجھے یہ بات اس لیے بھی اپیل کرتی ہے کہ اللہ تعالی کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلداری کی دیگر مثالیں بھی قرآن کریم میں موجود ہیں مثلاً سورۃ الکوثر میں حوض کوثر کی شکل میں عطاء ربانی کا ذکر پہلے ہے پھر "إن شانئك هو الأبتر" بعد میں، جس سے طعنہ دینے والے ابولہب کو جواب دیا گیا ہے۔ دلداری مقصود نہیں ہوتی تو طعنہ کا جواب پہلے آتا۔

سالوں بعد میں نے جب امام نورالدین علی بن احمد السمہودی (۹۱۱م) کی وفاء الوفا بأحوال دار المصطفی پڑھی تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ انہوں نے بھی سفر طائف اور واقعہ معراج میں مذکورہ بالا ربط بیان کیا ہے۔ یہ توارد خواطر ہے۔

پیام انسانیت کے حوالہ سے میں نے ایک بار دریافت کیا کہ ہمارے ملک کی غیر مسلم اکثریت طویل مدت تک مسلمانوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی مسلمانوں کے دین وتہذیب سے نابلد کیوں رہ گئی۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ: "اسلام سے قریب آنے میں اس قوم کا احساس برتری ہمیشہ مانع رہا ہے"۔ اہل وطن کی تعلّی کا مشاہدہ سب کرتے رہتے ہیں۔ جگت گرو ہونے کا خودستائشی دعوی سب کے کان میں پڑتا رہتا ہے۔ ہمارے، ہم وطن گیان دینے پر مصر ہیں، گیان لینے کے لیے راضی نہیں۔ حضرت کی یہ رائے آپ کے باریک مشاہدہ کی غماز تھی۔ حضرت نے اس پہلو کا تذکرہ اپنے بعض مطبوعہ خطوط میں بھی کہیں کیا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ کسی دوسرے شخص سے یہی سوال دریافت کیا جاتا تو ایک چلتا ہوا جواب یہ ملتا کہ برادران وطن میں دعوت کا کام کما حقہ نہیں کیا گیا۔ یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ دعوت اسی وقت اثر انداز ہوتی ہے جب دل ودماغ کا دریچہ کھلا رہے۔

مکہ مکرمہ میں ایک بار حضرت کو تنہا دیکھ کر میں نے فقہی توسع کی حدود کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت نے فرمایا کہ معروف ومعتبر مسالک اربعہ سے خروج نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ یہی مکمل طور پر مدون اور محفوظ ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مسلک یہی ہے۔ یہی بات حضرت نے ندوہ میں ہمارے درجہ کے الوداعی جلسہ میں کہی تھی اور یہی بات حضرت کے مطبوعہ لٹریچر میں بھی نظر سے گذری۔

حضرتؒ عربی زبان کے ادیب تھے۔ مگر تواضع کا یہ عالم تھا کہ ایک بار مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ سے ظہرانہ کے بعد نکلتے ہوئے مولانا عبداللہ عباس ندویؒ سے فرمانے لگے کہ عربی میں نئی تعبیرات کا چلن ہو تو مجھے بتا دیا کرو۔ دراصل حضرت Inferiority Complex کے بالمقابل مرکب النقص کے علاوہ کوئی دوسری تعبیر استعمال کرنا چاہتے تھے تو مولانا عبداللہ عباس ندویؒ نے مرکب الدونیۃ بتایا اور یہ بھی ذکر کیا کہ منیر بعلبکی کی عربی انگریزی ڈکشنری المورد میں اکثر نئی تعبیرات مل جاتی ہیں۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم کے دوران ایک بار جب حضرت تشریف لائے تھے تو میں نے ذکر کیا کہ مریم جمیلہ نے اپنی کتاب Islam and Modernism میں آپ کی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلامی تاریخ کے روشن صفحات تاریک صفحات پر بہت بھاری ہیں۔ اسلامی تاریخ کی صحیح تشریح لیے تاریخ دعوت وعزیمت پڑھنا چاہیے [صفحہ ۳۸]۔ دراصل بعض جدید بڑے مفکرین کا تاریخ کے مطالعہ میں یہ وطیرہ نظر آنے لگا کہ ماضی میں متعدد مصلحین مثلاً شاہ ولی اللہؒ اور سید احمد شہیدؒ سب ناکام ہوتے چلے گئے۔ مریم جمیلہ کا اشارہ اسی طرف تھا۔ حضرت کی تالیف تاریخ دعوت وعزیمت کی اس وقت تک ابھی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ Saviours of Islamic Spirit کے نام سے چھپا تھا۔ جب میں نے حضرت کو بتایا تو حضرت نے فرمایا کہ مجھے دکھانا اور نوٹ کرکے دیدینا۔ حسب حکم میں نے سنایا بھی اور نوٹ کرکے دیدیا۔ حضرتؒ نے مسرت کا اظہار فرمایا۔ بعد میں جب میں نے حضرتؒ کی کسی تالیف میں مریم جمیلہ کی اس رائے کا ذکر دیکھا تو مجھے مسرت ہوئی۔

عالم عرب میں حضرت مولاناؒ کو جو بلند مقام، شہرت اور مختلف حلقوں میں جو مقبولیت حاصل تھی وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ مجھے اور دیگر رفقا کو حضرت کے ہی اسکالرشپ پر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا تھا۔ حضرت سے تعلق اور ندوی انتساب کی وجہ سے ہم ندوی طلبہ کو متعدد ایسے فائدے ہوئے جہاں دیگر اداروں کے طلبہ کی رسائی نہیں تھی۔ انھیں امور میں کانفرنسوں میں بڑی شخصیات سے حضرت کے ہمراہ بالمشافہہ ملاقات کا

موقع اور دوسرا فائدہ حرمین وریاض میں متعدد سعودی شخصیات کے گھر کی دعوتوں میں حضرت کے شاگردان کے زمرہ میں شرکت۔ بارہا یہ تجربہ بھی ہوتا کہ ندوی انتساب کی وجہ سے بعض لوگ ہمیں حضرت کے خاندان کا سمجھتے ہوئے اکرام کرتے تو ندوی انتساب کی حقیقت کی وضاحت کرنی پڑتی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ آخرت میں بھی حضرت کی مرافقت نصیب فرمائے، آمین۔

حضرت مولاناؒ کے مزاج میں نفاست اور ظرافت دونوں تھی جس کا اظہار موقع موقع سے ہوتا رہتا تھا۔

مدینہ منورہ میں میں نے دیکھا کہ اگر کوئی اہم شخصیت آپ سے حضرت کی قیام گاہ پر ملنے آتی تو حضرت یہ اہتمام کرتے کہ شیروانی پہن کر ملتے۔ جب کوئی آنے والا ہوتا تو کبھی آپ مسکرا کر فرماتے لاؤ بھائی میری وردی یعنی شیروانی لاؤ۔ حضرت نے کسی دوسری بڑی شخصیت کا ایک ذکر بھی کیا تھا کہ کسی سے ملنے کے لیے وہ شیروانی پہننے کرنے کا اہتمام کرتے تھے۔

ایک بار مجھے جامعہ کیمپس میں رئیس الجامعہ کے آفس کے نزدیک بغیر شیروانی دیکھ لیا تو فرمایا: ''ندوہ نباشد''۔

ایک بار حرم نبوی میں مجھے سعودی ثوب میں شماغ لگائے ہوئے دیکھا تو مسکرا کر فرمایا: ''عم شرقی!'' یعنی شرقی چچا۔ میں اور جو لوگ ساتھ تھے سب محظوظ ہوئے۔ دراصل سعودی عرب کے منطقہ شرقیہ اور نجد میں لوگ سر پر عموماً لال رومال ڈالتے ہیں جس کو شماغ کہتے ہیں اور حجاز میں سر پر سفید رومال ڈالا جاتا ہے جس کو غُترۃ کہتے ہیں۔

ایک بار جامعہ کے کیمپس میں کسی نصف سفید ریش معمر پاکستانی طالب علم نے اپنا تعارف کرایا۔ وہ اپنے ادارہ میں غالباً شیخ الحدیث رہ چکے تھے۔ حضرت نے چند قدم آگے بڑھ کر مسکرا کر فرمایا، بھاگو بھاگو، کوئی ہمیں بھی طالب علم نہ سمجھ بیٹھے۔

حضرتؒ حجاز سے واپسی پر ریاض میں کچھ وقت کے لیے ٹھہرے تھے۔ ہوٹل میں لفٹ سے اوپر جاتے ہوئے جامعۃ الامام کے ایک ہندوستانی طالب علم ہاتھ میں لوٹا پکڑے ہوئے کھڑے تھے۔ تصور کیجیے لفٹ میں حضرت مولانا، استاذ گرامی مولانا رابع حسنی اور بشمول میرے کئی ندوی صاحبان اور سب کے بیچ میں لوٹا! حضرت نے مسکرا کر صرف اتنا فرمایا: ''اسے نمایاں مت کیجیے!'' لطف سب کو آیا۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ کر گزر گئی۔

میں کلیۃ الشریعہ جامعہ اسلامیہ کے آخری سال میں حفظ قرآن کے مضمون میں ضمنی آ گیا جس کو دور ثانی کہتے ہیں۔ مجھے اس کا شدید رنج تھا کہ حضرت مولاناؒ اور دیگر بزرگان ندوہ کے اعتماد کو ٹھیس پہونچی۔ اسی دوران حضرت مولاناؒ مدینہ منورہ تشریف لائے۔ میں شرمندگی میں اسی دن خدمت میں حاضر نہیں ہوسکا۔ حضرت نے دریافت کیا ہوگا۔ کسی سے مجھے بلوایا۔ میں شرمندگی میں کیا کہتا۔ بڑوں کی بات بڑی ہوتی ہے۔ فرمانے لگے: کوئی بات نہیں، میں بھی (غالباً) لکھنؤ یونیورسٹی کے امتحان میں فیل ہوا تھا۔ شفقت فرماتے ہوئے حضرت گویا ہوئے ''جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں'' حضرت کے اس سفر میں استاذ گرامی مولا رابع حسنیؒ اور استاذ گرامی مولانا واضح حسنیؒ بھی تھے۔ دونوں حضرات نے بھی مجھے صدمہ سے نکالا۔ حضرت مولانا رابع حسنیؒ نے فرمایا کہ زندگی میں کبھی دھچکہ لگنا مفید ثابت ہوتا ہے۔ حضرت مولانا واضح حسنیؒ بھی مجھ پر بیحد شفقت فرماتے تھے۔ مجھے تسلی دی اور فرمایا کہ میرے خاندان کے فلاں عزیز انگریزی مضمون میں ضمنی آ گئے تو میں نے سرزنش نہیں کی۔ اسی دوران میرے بڑے ابا حضرت مفتی محمد نظام الدینؒ صدر دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا خط آیا۔ میرے رزلٹ کا بڑے ابا کو پتہ چلا تو اپنے خط میں تحریر فرمایا کہ کوئی بات نہیں۔ میں بھی جب مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں طالب علم تھا تو بہار بورڈ کے امتحان میں فیل ہوا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ بڑوں کی بڑی باتیں دل رکھنے کے لیے تھیں۔

ایک بار میں حضرت سے ملاقات کی غرض سے ریاض سے مدینہ منورہ گیا۔ دوسرے یا تیسرے دن شام کو روانگی کی اجازت لی تو فرمایا کہ کچھ لوگوں کو جمع کر کے پڑھایا کرو، کچھ دعوت کا کام کیا کرو اور صبح و شام درود، تیسرے کلمہ اور استغفار کی تسبیح پڑھا کرو۔ میری زندگی میں یہ نصیحتیں پتھر کی لکیر بن گئیں۔ اللہ کے فضل سے کئی گروپوں کو عربی زبان و قواعد، قرآن اور حدیث سالہا سال پڑھانے کی توفیق ہوئی۔ مشکاۃ المصابیح ختم کرنے کے بعد صحیح بخاری کے چند ابتدائی ابواب چل رہے تھے کہ وطن واپسی ہوگئی۔ ریاض میں ملازمت کے دوران میرا تعلق علم سے کمزور ہوتا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت مولاناؒ کی قبر منور رکھے کہ حضرت کی نصیحت نے مجھے مکمل طور پر ڈوب جانے سے قبل دستگیری کردی۔

حضرت کی آخری زیارت وفات سے قبل شعبان کے آخری دنوں میں ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ حضرت کو جنۃ الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور ہم منتسبین کو جنت میں حضرت کی زیارت نصیب فرمائے۔

بہت ساری یادیں ایسی ہوتی ہیں جو بروقت مستحضر نہیں ہوتیں؛ لیکن وقتاً فوقتاً بجلی کی طرح ذہن میں کوندتی رہتی ہیں۔ بہرکیف اس وقت یادداشت کے کشکول میں جو تھا اسے تحریر کے حوالہ کر کے اپنی سرگزشت ختم کرتا ہوں۔

☆☆☆☆☆

یادِ رفتگاں

ایک جاں باز قائد کی شہادت - منظر و پس منظر

مولانا عبدالعلی فاروقی

لہولہان فلسطین کے جاں بازوں کی تحریک مزاحمت ''حماس'' کے باحوصلہ و باحمیت قائد اسماعیل ہانیہ نے ۳۱؍ جولائی ۲۰۲۴ء کو اپنے خاندان کے ستر (۷۰) شہداء کے بعد خود بھی جام شہادت نوش کرلیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون.

اسماعیل ہانیہ مرحوم کی ایک تقریر کا اقتباس سوشل میڈیا میں گردش کررہا ہے، جس میں وہ پورے جوش وخروش کے ساتھ اپنے اس عزم کا اظہار کررہے ہیں کہ ہم ارض بیت المقدس کی حفاظت اور غاصبین کے قبضہ سے آزاد کرانے کے لیے اپنے تن من دھن، اپنی اور اپنی اولاد کی جانوں کی بازی لگادیں گے، ہم خوش ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری اولاد اور اولاد کی اولاد کو شہادت کے مرتبے پر فائز کیا۔ یقیناً قبلۂ اول کی حرمت اور سرزمین قدس کی عزت ہماری جانوں سے زیادہ قیمتی ہے، اور اس کی واگذاری کی راہ میں ہماری اور کنبے کی شہادت ہمارا سرمایۂ فخر واعزاز ہے۔

اسی طرح اس عظیم و باحوصلہ مرد مجاہد کی دشمنانِ دین اور ننگ انسانیت لوگوں کے ہاتھوں شہید ہوجانے پر ان کے بیٹے کا سوشل میڈیا میں جو بیان آیا ہے، وہ کچھ اس طرح ہے:

''میرے والد کی جان یقیناً بڑی قیمتی تھی، اور انہیں دشمنوں نے گھات لگا کر شہید کیا، مگر ان کی جان ہزار ہا ہزار شہید ہونے والے فلسطینیوں سے زیادہ قیمتی نہیں تھی۔ ہمیں فخر ہے کہ میرے عظیم والد نے اپنے فلسطینی مسلم بھائیوں کے ساتھ رفاقت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے کنبہ کے ستر (۷۰) افراد کے بعد خود اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کردیا''۔

یہ تو ہے اس تاریخی تسلسل کا ایک حصہ جس کا آغاز سرزمین مکہ سے ہوا، پھر بدر و احد وخیبر، اور پھر روم وایران اور فتح بیت المقدس سے ہوتا ہوا موجودہ دور کے دین دشمن اور انسانیت دشمن لوگوں کے جبر کے سامنے سینہ سپر ہوکر اپنے وجود کو ثابت کرنے اور ہر قیمت پر اپنے دین وشعائر دین کی حفاظت وصیانت کے حوصلہ و ثبات سے عبارت ہے۔ اور جس کا نعرۂ مستانہ ہے کہ:

اے ضرب یداللہی اے سجدۂ شبیری
پرچم شہ طیبہ کا ہر حال میں لہرانا

لیکن اسی تصویر کا وہ دوسرا رخ بھی ایک مرتبہ پھر کھل کر سامنے آیا جس کے مرکزی کردار منافقین مدینہ اور منافقین کوفہ سے لے کر موجودہ دور کے منافقین ایران وعراق، سعودیہ وعرب امارات، اور شام ویمن ہیں۔

ایران کے مذہبی پیشوا آیت اللہ خامنہ ای کا یہ پرفریب بیان آیا ہے کہ اسماعیل ہانیہ کے بے رحمانہ قتل کا ہم انتقام لیں گے۔ کیوں کہ یہ قتل ہماری سرزمین پر ہوا ہے، یوں تو ہم اس بیان کو اسی ''نوراکشتی'' کا ایک حصہ سمجھتے ہیں جس کا سلسلہ دھمکیاں دینے، غرانے، اور اب حملہ کرنے، جب حملہ کرنے کے فرضی اور پرفریب اعلانات کے ذریعہ برسہا برس، خصوصاً ۷؍اکتوبر ۲۰۲۳ء کے بعد سے جاری ہے، اور جس کے بارے میں ہم پورے اعتماد ویقین کے ساتھ یہ کہتے آئے ہیں کہ:

نہ خنجر اٹھیں گے نہ تلوار ان سے
یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

مگر اس سلسلے میں سب سے اہم اور قابل غور بات یہ ہے کہ کیا ایرانی قیادت اس بات کو تسلیم کرے گی کہ اس کے ملک کا دفاعی وجاسوسی نظام اتنا کمزور ہے کہ اس کے ایک اہم ترین اور معزز مہمان کو انتہائی محفوظ علاقہ میں اور صدر مملکت کی رہائش گاہ کے نزدیک دشمن نے ہلاک کردیا، اور اسے کانوں کان خبر نہ ہوسکی؟

ہمیں معلوم ہے کہ ایران اپنے آپ کو جتنا طاقتور اور ناقابل تسخیر ظاہر کرتا ہے، اور ''اپنی مخصوص منافقانہ پالیسی'' کی وجہ سے امریکہ بھی اس کی لاف گزاف کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرتا ہے، یہ سب ایک فریب ہے۔ نہ ایران اتنا طاقت ور ہے، نہ ہی امریکہ ''اس کی طاقت'' سے مرعوب ہے۔ اس کے باوجود ہم ایران کو اتنا کمزور بھی نہیں سمجھتے کہ وہ اپنے ملک کے اندر اپنے ایک معزز ترین اور عالمی اہمیت کے حامل مہمان کی حفاظت نہیں کرسکتا۔ ساری دنیا کی طرح ایران کے حکمراں بھی اس حقیقت سے بہ خوبی واقف ہوں گے کہ اسرائیل گزشتہ بیس برسوں سے اسماعیل ہانیہ کی جان کے درپے تھا۔ اس نے ان پر کئی مرتبہ مختلف مقامات پر قاتلانہ حملے بھی کروائے، جس میں وہ ناکام رہا۔ خود اسماعیل ہانیہ کو بھی اس بات کا اچھی طرح احساس تھا کہ وہ ہر وقت خطرہ کی زد میں ہیں۔ چنانچہ اسی سفر میں ایران کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا خامنہ ای سے گفتگو کرتے ہوئے ان کی خود ویڈیو سوشل میڈیا میں وائرل ہورہی ہے، اس میں وہ یہ صاف صاف کہتے نظر آرہے ہیں کہ ہمارا مشن چلتا رہے گا، ایک قائد چلا جائے تو اس کی جگہ دوسرا قائد لے لے گا وغیرہ وغیرہ- پھر کیا ایرانی حکمراں اپنے ہی ملک میں اتنے بے دست وپا تھے کہ جس گیسٹ ہاؤس میں انہوں نے اسماعیل ہانیہ کو ٹھہرایا تھا۔ وہاں ان کی حفاظت کے لیے دو سپاہی بھی فراہم نہیں کرسکتے

تھے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اتنے اہم اور محفوظ مقام پر رات کو ۲ بجے اپنی خواب گاہ میں پانی پیتے ہوئے یا قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے ایک معزز ترین سرکاری مہمان جس وقت کامیاب قاتلانہ حملہ کا شکار ہو، اس وقت اس کے قریب اس کے اپنے ذاتی محافظ کے علاوہ میزبان کی طرف سے فراہم کیا ہوا کوئی ایک سپاہی یا گارڈ بھی نہ ہو؟

''اپنی رضا کارانہ جلاوطنی'' کے دوران اسماعیل ہانیہ کا ترکیہ میں بھی قیام رہا اور اب برسوں سے قطر میں وہ مقیم تھے۔ پھر ان مقامات خاص طور پر قطر جیسے چھوٹے (اور بڑی حد تک امریکہ کی عملداری والے) ملک میں تو وہ محفوظ رہے؛ لیکن ایران کے مدعو مہمان بن کر جاتے ہی انہیں شہید کر دیا گیا، کیا کسی بھی سطح پر ایران کے تعاون کے بغیر اتنا کامیاب آپریشن، اور ٹارگٹ قتل ہوسکتا ہے؟

ہم یہ نہیں کہتے کہ ایران نے اپنے لوگوں کے ذریعہ اسماعیل ہانیہ کا قتل کرایا، مگر اسے بھی کسی قیمت پر تسلیم نہیں کر سکتے کہ ایران کی رضامندی اور اس کے تعاون کے بغیر یہ قتل ہوگیا۔ یہ کم سے کم درجہ کی بات ہے کہ ایران کو شہید قائد اسماعیل ہانیہ کا براہ راست قاتل نہ کہہ کر اسے ان کے قتل کا معاون و شریک قرار دیا جائے، اب رہ گئیں اس کی اسرائیل سے انتقام لینے کی دھمکیاں تو یہ تو چلتا رہا ہے، اور چلتا رہے گا۔ اسی طرح جیسے قاسم سلیمانی، اور سابق صدر رئیسی کے سلسلہ میں پھلجھڑیاں چھوٹ کر بجھ گئیں۔

جہاں تک ان عرب منافقین کا معاملہ ہے، جو آخرت کی جواب دہی اور دنیا کی ذلت ورسوائی دونوں کو فراموش کر کے ان دشمنوں کی چاپلوسی اور خوشامد میں لگے ہوئے ہیں جن سے انہیں اقتدار کا خطرہ ہے، ان تمام منافقین اور اسلام دشمنوں کو یہ نوشتۂ دیوار ذہن میں رکھنا چاہیے کہ:

اس کے قتل پہ میں بھی چپ تھا، میرا نمبر اب آیا
میرے قتل پہ آپ بھی چپ ہیں اگلا نمبر آپ کا ہے

فلسطین کے چالیس ہزار شہیدوں میں ایک بڑے نام اسماعیل ہانیہ کا بھی اضافہ ہوگیا۔ دنیا کی نظر میں یہ کتنا ہی بڑا المیہ ہو؛ لیکن خود شہید قائد کے لیے تو یہ اسی طرح اپنی مراد کو پا کر کامیابی حاصل کر لینے والا عمل ہے جس طرح حضرت عمر فاروقؓ کے لیے ان کی شہادت اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے لیے ان کی شہادت، بلکہ تمام شہدائے اسلام کے لیے ان کی مطلوبہ شہادتیں، کیوں کہ:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

البتہ ہم تمام مسلمان اتنے کاری زخموں اور اتنے عظیم سانحوں وخساروں سے سبق لیتے ہوئے اپنے دشمن کو دانستہ یا نادانستہ طور پر مضبوط وطاقت ور بنانے کا عمل جاری رکھیں گے تو نوبت یہ آ کر رہے گی کہ:

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

اگر ہم مسلمانوں خاص طور پر فلسطینی مسلمانوں کے دشمنوں و قاتلوں کی اقتصادی حیثیت کو مضبوط کرنے والی اشیاء (جن میں مشروبات سے لے کر عام استعمال کی چیزیں تک شامل ہیں، اور جن کی پوری فہرست بار بار پیش کی جاتی رہی ہے) کی خریداری اور اسے اپنی طلب سے خارج نہیں کریں گے، ہمیں اس ذلت کی دلدل سے کوئی نہ نکال سکے گا:

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اب اضطراب نہیں

☆☆☆☆☆

خراجِ شہادت شیخ اسماعیل ہنیہ رحمہ اللہ

یوم شہادت: ۲۴؍محرم الحرام ۱۴۴۶ھ مطابق ۳۱؍جولائی ۲۰۲۴ء، چہار شنبہ

محمد زاہد حسین ندوی - جمشید پور

مرے شیخ ہنیہ دیدہ ور، تو بڑا جری تھا بڑا نڈر
تو کچھ اس ادا سے بچھڑ گیا، کہ ہے خون خون مرا جگر

تو امیر لشکر قدس تھا، تو عزیمتوں کا سفیر تھا
ترے نقش پا نے عطا کیا مری زندگی کو نیا سفر

تجھے یاد کرتا ہے قدس بھی ترا ذکر دیر وحرم میں ہے
تو شہید ہو کے بتا گیا کہ شہادتوں میں ہے کیا اثر

تو امین عہد الست تھا، تو رہ وفا میں ہی مست تھا
ہے مثال تیری بس اک یہی کہ صدف میں جیسے پلا گہر

تو بنا خدا کا حبیب ہے، تو نبی سے آج قریب ہے
تجھے قدسیوں کا پیام ہے کہ یہی ہے آج سے تیرا گھر

جو لعین، دشمن جاں ترا، اسے تجھ سے خوف سدا رہا
تری زندگی سے تھا اس کو ڈر، تری موت سے بھی بڑا حذر

یہ سلام تیرے وطن کو ہے، یہ خراج تیرے مشن کو ہے
اسی راستے پہ چلا تھا تو، جو ازل سے تھا بڑا پُر خطر

رسید کتب

تعارف وتبصرہ

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی

ترجمے اور تالیفات
مولانا محمد ناصر سعید اکرمی

مولانا محمد ناصر سعید اکرمی اک زود رقم صاحبِ قلم اور مصنف ہیں، مختلف دینی، اصلاحی، ادبی اور مفید موضوعات پر ہر کچھ روز میں ان کے قلمِ گوہر بار سے رسائل وکتابیں صادر ہوتی رہتی ہیں۔ عربی اردو ترجمہ میں بھی انھوں نے اپنا لوہا منوالیا ہے، وہ عمدہ اور مفید دینی وملی کاموں کو عربی سے اردو میں منتقل کرتے رہتے ہیں، اوران کی ترجمے حسنِ انتخاب کا امتیاز بھی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو کام کے جذبہ کے ساتھ وقت کی برکت سے بھی نوازا ہے:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس وقت ہمارے مطالعہ کی میز پر موصوف محترم کی کئی کاوشیں باصرہ نواز ہیں، جن میں سے ایک اصلاحی موضوع پر 'کبائر النساء' کے نام سے، ایک خواتین کے احکامِ حج پر 'حج اور خواتین' کے نام سے، ایک سیرت کے موضوع پر 'عکسِ سیرت' کے نام سے، ایک فقہِ شافعی کے موضوع پر 'آئینۂ فقہ' اور ایک سفر نامہ 'پانچ دن ندوۃ العلماء میں' کے نام سے موسوم ہے۔ 'کبائر النساء' اور 'حج وخواتین' ترجمے ہیں، باقی رسائل یا کتب مولانا موصوف ہی کی فکری وعلمی اور ادبی کاوشوں کا حصہ ہیں۔

ساری ہی کتابیں عمدہ کاغذ وطباعت کے ساتھ 'معہد الامام حسن البناء' بھٹکل سے شائع ہوئی ہیں، جس کے بانی مبانی موصوف ہی ہیں، اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوۃ العلماء اور مکتبۃ الشباب العلمیہ لکھنؤ کے علاوہ دیوبند کے کئی بڑے کتب خانوں پر دستیاب ہیں۔

آئینۂ فقہ
(سوال وجواب کی روشنی میں)

۲۷۲ صفحات کی یہ مجلد کتاب فقہِ شافعی کی رو سے عوام الناس کو شریعت کے اہم اور بنیادی احکام سے 'سوال وجواب' کے آسان اور ذہن نشین پیرایہ میں آگاہ کرتی ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں مصنفِ فاضل نے فقہِ شافعی کی دو مستند کتابوں 'احمد یار جنگ کی 'المبسوط' اور اور فقہِ شافعی کی معرکۃ الآراء کتاب شامی علماء کی تصنیف کردہ 'الفقہ المنہجی' سے مدد لی ہے، اور گویا ان کی تلخیص کردی ہے، جو بالخصوص جنوبی ہند کے شافعی مسلمانوں کے لیے کسی تحفہ سے کم نہیں۔ مولانا موصوف نے کیسی دیدہ وری اور عرق ریزی سے یہ کتاب تالیف کی ہوگی' اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے 'المبسوط' کی دو جلدوں اور 'الفقہ المنہجی' کی تین جلدوں کے مواد کو مع ترجمہ ایک متوسط ضخامت کی جلد میں سمو دیا ہے۔ سوال وجواب کا اسلوب بھی بہت واضح اور سہل ہے؛ قاری کو پوری تشفی کے ساتھ مسئلہ سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ مولانا موصوف کی فقہی بصارت کی دلیل بھی ہے اور اس ہنر کی نشاندہی بھی کہ علمی دقیق مسائل کو کس اسلوب میں عوامی ذہنی سطح کے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔

جہاں تک کتاب کے مضامین ومشمولات اور نظم وترتیب کا تعلق تو اس میں پیش کردہ فقہی مباحث و مسائل کو عام فقہی ترتیب کے ساتھ ہی مرتب کیا گیا ہے؛ آغاز 'کتاب الطہارۃ' سے ہوتا ہے، پھر 'نماز کے احکام' اس کے بعد کتاب 'الصیام' 'کتاب الحج' 'کتاب النکاح' 'بیوع' 'جنایات' اور آخر میں 'امامت' کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس طرح قاری فقہِ شافعی کی روشنی میں اسلامی زندگی کے مکمل خاکہ اور اس کی اہم جزئیات سے واقف ہوجاتا ہے۔

عکسِ سیرت

یہ رسالہ بھی 'سوال وجواب' کی شکل میں سیرت نبویؐ اور اسلامی تاریخ سے متعلق اہم سوال قائم کرکے ان کے سہل جوابات دیتا ہے۔ عصری طبقہ کے مرد، خواتین، اسکول کے بچوں اور خاص طور Islamic Quiz Compitition کے نصاب کے لیے بہت کارآمد رسالہ ہے۔

یہ بنیادی طور پر دو حصوں میں منقسم ہے؛ پہلا حصہ 'سیرتِ نبوی' سے متعلق ہے، اور دوسرا حصہ ضمیمہ کے طور پر ایک عربی رسالہ کا ترجمہ ہے، جو عام اسلامی معلومات پیش کرتا ہے۔ بالخصوص سیرتِ نبوی کا حصہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی تین جلدوں میں معروف ومشہور تالیف 'سیرۃ المصطفیٰ' کا خلاصہ اور لبِ لباب ہے، جس میں سیرتِ پاک کے حوالہ سے ۵۰۶؍ سوالات وجوابات درج کرکے پوری سیرت کے احاطہ کی کوشش کی گئی ہے، جب کہ 'اسلامی سوال وجواب' کے مترجم ضمیمہ میں ۱۲۵؍سوالات وجوابات درج کیے گئے ہیں، جو بہت معلوماتی اور مفید ہیں۔

کبائر النساء
(عورتوں کے چھوٹے بڑے گناہ)

یہ دراصل عرب عالم شیخ ابراہیم محمد الجمل.....

.....بقیہ صفحہ ۲۸؍ پر

حق و باطل

جی-۷ سربراہ اجلاس اور عالم اسلام

محمد فرمان ندوی

اسلام کی تاریخ حق و باطل کی کشمکش کی تاریخ رہی ہے، ازل سے شیطان کے ہرکارے نور اسلام کو بجھانے کی کوشش میں مصروف رہے ہیں، اللہ کا یہ تقدیری فیصلہ ہے کہ فتح ہمیشہ اہل ایمان کی ہوتی ہے، کیونکہ اسلام کی فطرت میں اللہ نے غلبہ وسربلندی کو ودیعت فرمادیا ہے، اہل ایمان کی بعض کمزوریوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام شکست وریخت سے دوچار ہے، لیکن ایسا نہیں ہے، وہ سربلند ہونے کے لیے آیا ہے، اور اپنے دلائل وشواہد کی بنا پر سربلند رہے گا: "الاسلام یعلو ولا یعلی علیه" اور قرآنی آیت "هُوَ الَّذِیْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدَى وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهِ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ" کے بموجب فتح ونصرت اسلام کے ساتھ خاص ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد دنیا کو ایک نئی زندگی ملی، اور زمانہ جاہلیت میں انسانیت جس کس مپرسی کے عالم سے گذر رہی تھی، اس سے اس کو نجات ملی، اور تئیس سال کی مختصر مدت میں ایسا دینی، ایمانی، اسلامی، سیاسی، تہذیبی، اقتصادی انقلاب آیا ہے کہ اس سے آبی وخاکی، کوئی بھی محروم نہیں رہا، پھر خلفائے راشدین کا دور آیا، ان کے زمانہ میں اسلامی قلمرو میں نئے ممالک کا اضافہ ہوا، اور دنیا کے عظیم طاقتیں بھی اسلام کے زیر اثر آگئیں اور یہودیت وصلیبیت جن کی زیادتی سے دنیا پریشان تھی اس کو ان سے نجات ملی۔ قبلۂ اول بیت المقدس جس پر غیروں کا تسلط تھا، وہ بھی آزاد ہوا، اور اسلام کی عظمت وشوکت اور وحدت کی علامت قرار پایا۔

خلافت راشدہ کے بعد بنوامیہ، بنوعباس، سلطنت عثمانیہ کے ذریعہ بڑی حد تک حفاظت اسلام کا کام کسی نہ کسی سطح پر جاری ہے؛ لیکن جب خلافت عثمانیہ کا الغاء ہوا تو دنیا پر یتیمی کا ایسا داغ لگ گیا، جو مرورِ زمانہ کے ساتھ گہرا ہوتا گیا۔ اس کے ازالہ کے لیے انفرادی و اجتماعی کوششیں جاری رہا، داعیانِ اسلام دنیا کے طول و عرض میں اپنی اپنی بساط کے مطابق کوشش کرتے رہے بعض مسلمان حکمرانوں کی دینی غیرت بھی ضرب المثل رہی، دوسری طرف باطل طاقتوں کی سرگرمیاں تیز تر ہو گئیں، اور وہ منصوبہ بند طریقہ پر اسلام کے قصر شاہی کو مسمار کرنے میں مصروف عمل رہیں۔

قضیۂ فلسطین اور عالم اسلام

دنیا میں منظور شدہ اور غیر منظور شدہ ممالک کی تعداد دوسو سے زیادہ ہے، ہر ملک میں اللہ تعالیٰ نے کچھ معدنیاتی ذخائر رکھے ہیں، ان کی وجہ سے اس ملک کی اہمیت عالمی سطح پر تسلیم کی جاتی ہے، اس سلسلہ میں عالم اسلام کو جو امتیاز حاصل ہے، اس سے مغربی ممالک خوب واقف ہیں، چنانچہ انہوں نے اس کے زمینی ذخائر کو ہتھیانے اور ان پر قبضہ جمانے کی منصوبہ بندی کی اور بڑی حد تک اس میں کامیاب ہوئے۔

عالم اسلام کے بنیادی مسائل میں فلسطین کا مسئلہ ایک عالمی مسئلہ ہے، ستر سال (۷۰) سے یہ مسئلہ جسم انسانی میں رستے زخم کی طرح درد کا احساس پیدا کراتا رہتا ہے، اسرائیل کو زبردستی عالم عربی کے قلب میں بسانا اور پشت پناہی کرنے کے پیچھے مغربی ممالک کا ایک تیر سے دو شکار کرنا ہے، ان کا ایک مقصد ایک طرف اپنے ممالک سے یہودیوں کو نکالنا تھا تو دوسری طرف پورے عالم عربی پر اسرائیل کے ذریعہ اپنی چودھراہٹ باقی رکھنا ہے، یہی وجہ ہے کہ موجودہ حماس اسرائیل جنگ میں براہ راست امریکہ کی سرپرستی اور ہتھیاروں کی فراہمی جاری ہے؛ بلکہ نتیاہو بنیامین کو امریکہ بلا کر امریکی کانگریس میں اس کی تقریر بھی کرائی گئی اور نام نہاد جنگ بندی کی تجاویز کا بھی گلا گھونٹا گیا۔

مرد دانا اور اس کی جرأت و بیباکی

عربوں اور اسرائیل میں تین بڑی اور اہم جنگیں ہوئی ہیں: پہلی جنگ ۱۹۴۸ء میں جب اسرائیل کو بسایا گیا تو اس وقت یہ جنگ معرکہ آراء تھی، دوسری جنگ ۱۹۶۷ء میں ہوئی، جو مصری افواج کی زبردست شکست سے عبارت تھی، تیسری جنگ ۱۹۷۳ء میں ہوئی جو بڑے خسارے اور نقصانات کا پیش خیمہ ہوئی ان تمام جنگوں میں جب سپر پاور کی براہ راست مداخلت اور سرپرستی رہی اور اس وقت کے صدر امریکا رچرڈ نکسن نے اسرائیل کو ۱۸ر ہزار کروڑ روپے دینے کا اعلان کیا، اور مغربی ممالک نے اسرائیل کے تحفظ کا پورا بیڑہ اٹھایا تو ایک مرد دانا، باحمیت، باغیرت شخصیت شاہ فیصل بن عبدالعزیز آل سعود کی صورت میں نمودار ہوئی، اور انہوں نے دشمنوں کے سامنے پوری جرأت کے ساتھ اسلامی اور ایمانی موقف کا اظہار کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو عزم محکم، قوت عمل اور عمل پیہم کی توفیق عطا فرمائی تھی، ان کی دلی خواہش تھی کہ پورا عالم اسلام غیر ملکی سامراج سے آزاد ہو، اور اس کے خلاف سازشوں کا جو تانا بانا بنا جارہا ہے، وہ تارِ عنکبوت ثابت ہو، ایک موقع پر انہوں نے عالم اسلام کے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا: اپنی اولاد کو یہ بتاؤ کہ فلسطین پر دشمن قابض ہے، اور مسجد اقصی

ظالموں کے نرغے میں ہے، اور اس کی بازیابی کی کوشش شرف وعزت کی بات ہے، اور اسرائیل کے نام سے کوئی بھی ملک روئے زمین پر تسلیم نہیں، ایک دوسرے موقع پر انہوں سعودی ریڈیو اسٹیشن پر پوری قوت کے ساتھ یہ بات کہی، جو تاریخ کے صفحات میں آبِ زر سے لکھی ہوئی ہے: ہم مسئلہ فلسطین کو اپنا ذاتی مسئلہ اور عربوں کا اولین مسئلہ سمجھتے ہیں، اور ہم اس قضیہ کو حل کرنے کے لیے پٹرول کو بطور ہتھیار استعمال کر سکتے ہیں، اور دنیا کے مختلف خطوں میں جہاں جہاں فلسطینی جلا وطنی کی زندگی گذار رہے ہیں، وہ ضرور بالضرور اپنے حقیقی وطن واپس ہوں گے، اگر چہ اس میں ہمیں اپنی جانیں گنوانی پڑے، اقوام متحدہ کے اسٹیج پر بھی انہوں نے یہ ببانگ دہل کہا کہ پوری مشرق وسطی کے امن وامان کی سلامتی میں سب سے زیادہ خلل ڈالنے والی چیز قضیۂ فلسطین ہے، جس کا حل ہونا ناگزیر ہے، اکتوبر ۱۹۷۳ء میں شاہ فیصل نے ایک قرارداد پاس کی، جس میں مغربی ممالک جو براہ راست اسرائیل کے پشت پناہ تھے کے لیے پٹرول پر پابندی برقرار رہے گی، جب تک اسرائیل مقبوضہ علاقوں کو خالی نہیں کر دیتا ہے، اور اس سلسلہ میں پڑوسی ممالک نیز عرب آرگنائزیشن برائے پٹرول (اوپیک) کا بھی زبردست تعاون رہا، جس کی وجہ سے یورپین ممالک کی نیند حرام ہوگئی، اور شاہ فیصل نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ مراکش میں ۲۶؍ممالک کی کانفرنس بھی بلائی، اور ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کی تجویز پاس کی۔ جو بعد میں منظمة التعاون الاسلامی (O.I.C) کی شکل میں عالمی منظر نامہ پر نمودار ہوئی۔ ظاہر ہے کہ اس قدر جرأت و ہمت کا نتیجہ جانی و مالی نقصان کی شکل میں مرتب ہونے والا تھا، چنانچہ وہی ہوا، جس کا اندیشہ تھا، یعنی ایک طرف مغربی ممالک کی آنکھوں کا کانٹا شاہ فیصل بن عبد العزیزؒ کو راستہ سے ہٹایا گیا، ان کے بھتیجے کے ذریعہ ان کو شہید کیا گیا، دوسری طرف مغربی اقتصادیات پر خصوصی توجہ دینے کے لیے نومبر ۱۹۷۵ء میں جی-۷ کا قیام عمل میں آیا، تاکہ یورپین ممالک پر آنے والے اقتصادی بحران سے نمٹا جا سکے، (سات ممالک کی فہرست یہ ہے: امریکا، جرمنی، اٹلی، فرانس، برطانیا، جاپان اور کناڈا) ایک زمانہ تک روس اس فہرست میں تھا؛ لیکن اس کو ۲۰۱۴ء میں اس سے علاحدہ کر دیا گیا۔

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جی-۷ ممالک اقتصادی لحاظ سے طاقتور ممالک ہیں، ان ممالک میں سات ممالک کی آبادی دنیا کی آبادی کا صرف دس فیصد حصہ ہے، جبکہ عالمی جی ڈی پی میں ان کی حصہ داری چالیس فیصد ہے، کسی کسی رپورٹ میں پینتالیس فیصد بتائی جاتی ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ یہ ممالک دنیا کے ٹاپ دس ممالک میں آتے ہیں، امریکہ اس فہرست میں پہلے نمبر پر، جرمنی تیسرے، جاپان چوتھے، اور برطانیہ چھٹے اور فرانس ساتویں نمبر پر ہے، اٹلی اور کناڈا نویں اور دسویں نمبر پر ہیں۔ یہ راز فاش کرنے کی بالکل ضرورت نہیں کہ اس کی اقتصادی مضبوطی واستحکام میں عالم اسلام کا کتنا حصہ ہے۔

حالیہ جی-۷ سربراہ اجلاس اور اس کی سفارشات

ابھی ۱۳، ۱۴، ۱۵؍جون ۲۰۲۴ء کو اٹلی میں جارجیا میلونی کی دعوت پر جی-۷ کا سربراہ اجلاس منعقد ہوا، جس میں سات ممالک (یعنی امریکا، جرمنی، اٹلی، فرانس، برطانیا، جاپان اور کناڈا) کے علاوہ مختلف ملکوں کے سربراہان اور تنظیموں کے نمائندگان شریک ہوئے، ان میں خاص طور سے اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری انطونیو گوٹرس، ترکی صدر رجب طیب اردگان، شاہ اردن عبداللہ ثانی اور ہندوستانی وزیر اعظم نریندر مودی وغیرہ بھی اعزازی طور پر شریک ہوئے، اس اجلاس کے موضوعات میں عالمی مسائل زیر بحث رہے، خاص طور سے یوکرین کا مسئلہ موضوع بحث رہا، اور اس کے لیے ہمدردی اور بجٹ کی منظوری اجلاس کی ترجیحات تھیں، اجلاس کا اعلامیہ یہ تھا کہ روس یوکرین جنگ میں یوکرین کی مدد کی جائے گی، قریب دو برس سے جاری جنگ میں پیدا ہونے والے مسائل و مشکلات کے لیے پچاس ارب ڈالر قرض دیا جائے گا، یعنی یوکرین پر پوری توجہ رہی؛ لیکن غزہ میں انسانی جانوں کے اتلاف کے حوالہ سے صرف مذمتی قرارداد پاس کرنے پر اکتفا کیا گیا، اور ایک عام تجویز کے ذریعہ اس پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔

عالمی سیاست کی یہ عجیب دوہری پالیسی ہے کہ ایک ہی نوعیت کے دو مسئلوں میں الگ الگ موقف اختیار کیا جاتا ہے، اور دنیا اس پر آمنا وصدقنا کہتی ہے، اور ظاہری طور پر عدل وانصاف کا خون ہوتا نظر آتا ہے، جب کہ عالمی مساوات ڈھنڈورا پیٹنے والے ممالک کا یہ اخلاقی وسماجی حق تھا کہ ہر ایک کے ساتھ یکساں معاملہ کیا جائے، اور ان کو ان کا حق دیا جائے، ظاہر ہے کہ جب ان ممالک کا مفاد ٹکراتا تو پیمانہ بدل جاتا ہے، اور جب ایسی بات نہیں ہوتی ہے تو بڑے زور وشور سے امن وانصاف کا راگ الاپا جاتا ہے۔

جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

امت مسلمہ کی کردار کشی، بلکہ صفحہ ہستی سے اس کو مٹانے کی سازشیں روز روشن کی طرح عیاں ہیں، علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے رحمت عالمؐ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ: ''اسلام کا گلدستہ جس دھاگے سے بندھا ہے وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے''، علامہ اقبال نے تو

عالم عربی کے وجود کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ بتایا ہے: محمد عربی سے ہے عالم عربی، اس طرح پورا عالم اسلام ایک جسم کی طرح ہے، اگر جسم کے ایک حصہ میں کوئی تکلیف ہوتی ہے، تو دوسرا حصہ بھی اس سے متأثر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے عالم اسلام کو ظاہری اور معنوی خوبیاں کا گہوارہ بنایا ہے، کہیں "الأرض التی بارکنا" (مبارک علاقہ) کہہ کر اس کی اہمیت و افادیت کو عالم آشکار کیا ہے تو کہیں انبیاء کے وجود سے اس کو خطہ کی روحانیت میں اضافہ کیا ہے، ویسے ایک ایمان کے حامل شخص اور ایمان سے محروم شخص میں زمین و آسمان کا فرق بتایا گیا ہے، ایک شخص نور و نکہت میں ڈوبا ہوتا ہے، تو دوسرا ظلمت و تاریکی میں بھٹکتا ہوا ہے، ایک شخص زندہ ہے تو دوسرا مردہ " مثل الذی یذکر ربه والذی لا یذکر کمثل الحی والمیت".

باطل پرستوں کو عالم اسلام کی اس اہمیت کا ادراک بہت پہلے سے رہا ہے، دنیا میں مذاہب و ادیان کی تاریخ کا اگر مطالعہ کیا جائے تو سیکڑوں مذاہب دریافت کیے جاسکتے ہیں، شہرستانی کی الملل والنحل کا سرسری مطالعہ ہی اس حقیقت کو واشگاف کرنے کے لیے کافی ہے؛ لیکن الکفر ملة واحدة کے تحت سارے مذاہب کا اصل حریف یہی مذہب اسلام، اور اس کا خطہ عالم اسلام رہا ہے، ابلیس نے اپنی مجلس شوریٰ میں اسی امت محمدیہ سے اپنے خطرہ کا اظہار کیا تھا، کیونکہ اس کے خاکستر میں شرارِ آرزو موجود ہے۔ اور یہی چھپی ہوئی چنگاری ایک نہ ایک دن شعلہ جوالہ بنے گی اور خرمن کفر کو جلا کر خاک کردے گی: "ولله الأمر من قبل ومن بعد، ویومئذ یفرح المؤمنون".

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۵؍کا

کی عربی تالیف کا سلیس اردو ترجمہ ہے۔ 'تقدیم' کے عنوان سے خود شیخ کی اور 'مقدمہ' کے عنوان سے ڈاکٹر ہندوستان کے معروف اسلامی اسکالر ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی تحریریں شامل اشاعت ہیں۔

اس ضخیم رسالہ کو کئی فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے؛ پہلی فصل 'عبادات کے بیان میں'، دوسری 'معاملات'، تیسری 'آداب وفضائل' کے بیان میں ہے۔ گرچہ کتاب کا عنوان اس کے خواتین کے ساتھ مختص ہونے کو ظاہر کرتا ہے؛ لیکن حقیقۃً یہ مردوں کے لیے بھی بڑی معلوماتی اور دینی نکتۂ نظر سے بصیرت افروز کتاب ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کو مقبولیت حاصل ہوگی، اور مسلم سماج میں دینی زندگی کے قیام میں معاون ثابت ہوگی۔

'حج اور خواتین'

یہ بھی ایک عربی کتاب کا ترجمہ ہے، جو شیخ محمد عطیہ خمیس کی تالیف ہے، اور 'فقه النساء فی الحج' کے نام سے موسوم ہے، مصنف کی بعض دیگر کتابوں کا بھی مترجم موصوف اس سے قبل ترجمہ کرچکے ہیں۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ سہل اسلوب میں ہونے کے ساتھ' چاروں فقہی مسالک کا لحاظ رکھتے ہوئے خواتین کے لیے 'مسائلِ حج' بیان کرتی ہے، گرچہ مترجم نے اردو داں طبقہ کی رعایت کرتے ہوئے اور اصل کتاب کے اسلوب میں تصرف سے کام لیتے ہوئے' احناف وشوافع کے مسلک کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ کتاب کے آغاز میں فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ کا وقیع مقدمہ بھی شامل ہے۔

اس کتاب میں مختلف فصلیں قائم کرکے حج و عمرہ کے مسائل کے ساتھ زیارتِ مدینہ کے آداب وفضائل بھی مذکور ہیں، اور اس طرح 'زیارتِ حرمین' کا مکمل موضوع اس میں آگیا ہے۔

'پانچ دن دار العلوم ندوة العلماء میں'

یہ ۷۲؍صفحے کا ایک سفرنامہ ہے، جو کورونا کی وبا کے دوران کیے گئے ایک سفر کی روداد بیان کرتا ہے۔ اس سفرنامہ کے آغاز میں 'تمہید' کا عنوان قائم کرکے بعض اہم سفرناموں کا ذکر اور سفر کے فوائد بھی بیان کیے گئے ہیں، خاص طور پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی سفر جو ڈاکٹر حسین عزی مطہرہ کے قلم سے 'فرزندِ حرم' کے نام سے شائع ہوچکا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کا سفرنامہ 'شرقِ اوسط کی ڈائری'، اسی طرح مولانا دریابادیؒ کے 'سفرِ حجاز' اور بعض دیگر سفرناموں کے دلچسپ اور مفید تذکرہ سے اس سفرنامہ کی افادیت میں اضافہ ہوگیا ہے۔

یہ سفر منگلور سے شمالی ہند کے مختلف اداروں کی زیارت اور شخصیات سے ملاقات کی غرض سے کیا گیا؛ لیکن وبائی صورتحال کی وجہ سے ندوۃ لکھنؤ تک ہی محدود رہا، جو کہ سفر کی پہلی منزل تھی۔

سفر میں صاحبِ سفرنامہ کے ہمراہ بھٹکل کی دیگر دینی شخصیات بھی شامل تھیں، اس پورے قافلہ نے پانچ دن ندوۃ العلماء کے کیمپس میں گذارے، اساتذہ واکابر سے ملاقاتیں کیں، ندوہ کے مختلف شعبوں اور شہر لکھنؤ کے بعض مقامات کی سیر کی، جس کا تذکرہ صاحبِ سفر نے علمی اور ادبی شہپاروں کی آمیزش کے ساتھ رواں اسلوب میں اس طرح کیا ہے کہ خشک معلومات کے ساتھ ذہن کی تازگی کا سامان بھی فراہم ہوگیا ہے؛ شعبوں کی سیر اور ندوہ کی شخصیات کا ذکر ان کے تعارفی خاکہ کے ساتھ کیا گیا ہے، پورا سفرنامہ ایک ادبی و تاریخی رنگ لیے ہوئے اپنی مثال آپ ہے۔

☆☆☆☆☆

محاسن اسلام

ماہِ صفر کے توہمات اور اسلامی شریعت

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

کائنات کی ساری چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی تخلیق کردہ ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کے اندر بذات خود کوئی صلاحیت نہیں ہے، بس اتنی ہی صلاحیت ان کے اندر ہے، جتنی ان کے خالق نے دے رکھی ہے، اس اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو چیزوں کے اندر، خواہ وہ انس ہو یا جن، پانی ہو یا ہوا، شجر ہو یا حجر، دریا ہو یا پہاڑ، چاند ہو یا سورج، ستارے ہوں یا سیارے، دن ہو یا رات، ماہ ہو یا سال، کسی کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ کچھ کر سکے، کسی کو نقصان یا فائدہ پہنچا سکے، اس حقیقت کی طرف اشارہ قرآن مجید کے ایک مختصر جملہ میں واضح کیا گیا ہے، ارشاد ہے: "لَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ". [الکہف:۹] (کوئی طاقت نہیں ہے؛ مگر اللہ کی توفیق سے)، مفسر خازنؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

إقراراً بأن ماقويت به على عمارتها، وتدبيرامرها بمعونة الله، وتأييده، ولاأقدرعلى حفظ مالي، ودفع شئى عنه إلا بالله. [تفسیر خازن: ج۴/ص۲۱۳] (یہ اس بات کا اقرار ہے کہ تعمیر وتدبیر کی جو بھی قوت مجھے حاصل ہے، وہ اللہ کی توفیق سے ہے اور اس کے بغیر میں اپنے مال کے تحفظ پر قادر نہیں ہوں)۔

یہ تو بات انسان کی کی جارہی ہے، جو اشرف المخلوقات ہے، تو جو اشرف المخلوقات نہیں ہیں، ان کے اندر ظاہر ہے کہ کسی قسم کی کوئی صلاحیت کیسے ہوسکتی ہے؟ ہاں، اتنی صلاحیت ہر ایک میں ہے، جتنی اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے، اسی کا اظہار حضرت عمر فاروقؓ نے ان الفاظ میں کیا ہے:

إنى لأعلم أنك حجر، لاتضر ولاتنفع، ولولاأنى رأيت النبى ﷺ يقبلك، ماقبلتك. [بخاری، باب ماذکر فی الحجر الأسود، حدیث نمبر:۱۵۹۷] (مجھے خوب معلوم ہے کہ تو ایک پتھر ہے، نہ نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ نفع، اگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمہیں بوسہ نہ دیتا)۔

اس کی تشریح میں علماء نے لکھا ہے کہ:

وفيه دفع ماوقع لبعض الجهال من أن فى الحجر خاصية ترجع إلى ذاته. [دلیل الفالحین: ج۲/ص۱۱۹] (اس کے اندر جاہلوں کے اس تصور کو دور کرنا بھی ہے کہ پتھر میں بذات خود کوئی خاصیت ہے)۔

دن ورات اور ماہ وسال بھی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہیں، ظاہر ہے کہ ان کے اندر بھی بذات خود کوئی ایسی صلاحیت نہیں ہے، جس کو نفع و نقصان کا ترازو بنایا جاسکے؛ لیکن بہت سارے مسلمان بھائی بالخصوص ہمارے برصغیر ہندو پاک میں ایسے عقائد پر جمے ہوئے ہیں، جو سراسر بے بنیاد ہیں، جیسے: محرم الحرام کا مہینہ غم کا مہینہ ہے، اس میں خوشی کا کوئی کام نہیں کیا جاسکتا، اماوس کی رات میں یہ نہیں کرنا چاہیے یا یہ کرنا چاہیے وغیرہ، ایسا ہی کچھ عقیدہ ماہ صفر کے بارے میں بھی ہے۔

بعضوں کا خیال یہ ہے کہ چوں کہ اس مہینہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض الوفات پیش آیا تھا؛ اس لیے یہ نحوست کا مہینہ ہے، بعضوں کا خیال یہ ہے کہ جس طرح محرم کا مہینہ حضرت حسینؓ کی شہادت کی وجہ سے ماتم کا مہینہ ہے، اسی طرح صفر کا مہینہ بھی ماتم کا مہینہ ہے کہ اس میں حضرت حسنؓ کی وفات ہوئی، بعضوں کا خیال یہ ہے کہ اس مہینہ کے ابتدائی تیرہ دنوں تک نئے شادی شدہ جوڑوں کو ساتھ ساتھ نہیں رہنا چاہیے، جب کہ بعضوں کا خیال ہے کہ یہ مہینہ بلاؤں کا مہینہ ہے اور صرف اس مہینہ میں نو لاکھ بیس ہزار بلائیں دنیا میں اترتی ہیں۔

اس ماہ کے بارے میں یہ اور اس قسم کے الٹے سیدھے خیالات بہت ساری عوام کے ذہنوں میں بسے ہیں؛ چنانچہ جن کے خیالات میں یہ نحوست کا مہینہ ہے، وہ اس ماہ میں کوئی ایسا کام نہیں کرتے، جس میں خوشی کی جھلک بھی پائی جائے، اور جن کے خیالات میں یہ مصائب کا مہینہ ہے، وہ مصائب کو دور کرنے کے لیے کچھ خاص قسم کے ٹوٹکے بھی کرتے ہیں، مثلاً: اس مہینہ کے آخری بدھ کو روزہ رکھنے کا اہتمام، اور سلام قولا من رب رحيم، سلام على نوح فى العالمين، سلام على ابراهيم، سلام على موسى وهارون، سلام على المرسلين، سلام عليكم طبتم فادخلوها خالدين، سلام هى حتى مطلع الفجر لکھوا کر پانی میں گھول کر دفع بلیات کے لیے پینے کا اہتمام وغیرہ۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان چیزوں کی.....

.....بقیہ صفحہ ۳۲/ پر

عروج وزوال

بس نام رہے گا اللہ کا!

محمد اعظم ندوی

’’یہ طلباء نہیں دہشت گرد ہیں، ہم انہیں کچل کر رکھ دیں گے‘‘، ۷۶؍سالہ شیخ حسینہ واجد کا یہ رعونت بھرا جملہ خود ان کو خس وخاشاک کی طرح بہالے گیا، اور بالآخر ان کو اپنی کرسی چھوڑنی پڑی، وہ غم وغصہ سے بھرے ہوئے عوام کے فلک شگاف نعروں کے درمیان اپنے سارے خوابوں کو دفنا کر فرار ہونے میں کامیاب ہوئیں، بنگلہ دیشی عوام نے ان کی تقریباً دو دہائیوں کو محیط حکمرانی کو لوہے اور آگ کا راج قرار دیا، بنگلہ دیش کی اس ڈکٹیٹر خاتون کا دور اقتدار اپنے آخری لمحات میں ایک عجیب وغریب موڑ پر پہنچ گیا، جہاں ہر طرف شعلے بھڑک رہے تھے، اور قریب تھا کہ یہ ضدی عورت اس کا ایندھن بن جائے، طلباء اور نوجوانوں کے مظاہرے ایسے مرحلہ میں پہنچ چکے تھے جہاں سے اب وہ خود بھی چاہتے تو واپس نہیں آسکتے تھے، حسینہ کا مقابلہ مظاہرین اپنے برہنہ سینوں سے کررہے تھے، ان کے عزم بلند کے سامنے تمام تر حفاظتی دستے ناکام تھے، آگ بگولہ عوام کے بھڑکتے ہوئے غصہ کے سامنے پولس اور فوج کا قہر دم توڑ گیا، اور اپنی عمر عزیز بلکہ حیات رائیگاں کی ۷۶؍بہاروں سے لطف اندوز ہوچکی شیخ حسینہ کے اقتدار کی فولادی دیواریں پاش پاش ہوگئیں، سچ ہے:

اولوالعزمان دانش مند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں، کوہ سے دریا بہاتے ہیں

حسینہ کا اقتدار ۱۹۹۶ء سے اب تک پانچ مرتبہ کی حکمرانی پر مشتمل تھا، آج حسینہ کے ظالمانہ اور سفاکانہ دورِ حکومت کا خاتمہ ہوگیا، اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا انداز آمرانہ ہوچکا تھا، پھر یوں ہوا کہ اسلام پسندوں کو ناحق تختہ دار پر لٹکانے والی ڈکٹیٹر کا بخت بگڑا اور تخت کھسک گیا، جب کہ ابھی سات ماہ بھی نہیں ہوئے جب انہوں نے اپنی چوتھی مسلسل اور مجموعی طور پر پانچویں میعاد کا جشن منایا تھا، یہ جشن جنوری میں ہونے والے انتخابات کے بعد منایا گیا تھا، جس میں حسینہ نے بغیر کسی حقیقی مخالف کے خود سے ہی مقابلہ کیا اور جیت حاصل کی تھی، تاہم ان کی حکومت کا آخری مہینہ مختلف تھا؛ کیوں کہ طلباء کے زیر قیادت عوامی ناراضگی اور سول نافرمانی ان کی حکومت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی، ان کی حکومت غصہ سے بھرے احتجاجیوں کے قدموں تلے جھول رہی تھی، ایک ماہ پانچ دن سے جاری خاک وخون میں لت پت ان مظاہروں اور احتجاجات کے نتیجہ میں بنگالی فوج نے اعلان کیا کہ شیخ حسینہ نے وزارت عظمی کے عہدہ سے استعفی دے دیا ہے، یہ دراصل ایک فوجی بغاوت کا مہذب اظہار تھا، شیخ حسینہ نے اس کا تلخ ذائقہ پہلی بار تب چکھا تھا جب وہ بیس سال کی جوان رعنا تھیں، اور ان کے والد شیخ مجیب الرحمٰن کو قتل کردیا گیا تھا، یہ واقعہ پاکستان سے علاحدگی اور بنگلہ دیش کے اولین صدر کی حیثیت سے ان کے تقرر کے بعد پیش آیا تھا، اس وقت شیخ مجیب الرحمٰن نے لاکھوں افراد کو پاکستان کے ساتھ تعاون اور جنگی جرائم کے الزامات میں عدالتوں میں پیش کیا تھا۔

نوجوان حسینہ اس ہلاکت خیزی سے بچ گئی تھیں جس نے ان کے خاندان کے بے شمار افراد کو ان سے چھین لیا تھا؛ کیوں کہ وہ اور ان کی بہن ریحانہ ایک یورپی ملک کے دورہ پر تھیں، بعد میں انہوں نے ایک مضبوط سیاسی اور عوامی تحریک کا راستہ اختیار کیا، جس نے وقت کے ساتھ انہیں ان کے والد مجیب الرحمٰن کی قائم کردہ عوامی لیگ پارٹی کی صدارت تک پہنچادیا، وقت کے ساتھ، وہ خالدہ ضیاء کے بعد بنگلہ دیش کی دوسری خاتون حکمراں بن گئیں، حسینہ اور خالدہ دونوں پر بدعنوانی اور تشدد کے الزامات تھے، اور دونوں کا تعلق حکمراں خاندان سے تھا، حسینہ اپنے والد بنگ بندھو (بابائے بنگلہ دیش) کے نقش قدم پر چل رہی تھیں، جب کہ خالدہ ۱۹۸۱ء میں ایک فوجی بغاوت میں قتل ہونے والے اپنے شوہر جنرل ضیاء الرحمٰن کے نقش قدم پر تھیں، خالدہ ضیاء نے بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی کی صدارت سنبھالی اور ایک سیاسی سفر کا آغاز کیا، جس میں مقدمے اور نظر بندیاں شامل تھیں، اس سفر کا اختتام ۱۹۹۱ء میں وزیر اعظم بننے اور ۱۹۹۶ء میں مستعفی ہونے پر ہوا، ان کا سیاسی سفر بدعنوانی کے الزام میں قید وبند کے لامتناہی سلسلوں اور مختلف پیچیدہ بیماریوں پر ختم ہوا، اس کے باوجود حسینہ نے انہیں ۲۰۲۳ء سے اپنے ناکارہ جگر کی پیوندکاری کے لیے ملک چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔

بھارت نے محترمہ حسینہ کو سلامتی کی ضمانت دی، اور انہوں نے فوجی طیارہ میں سوار ہوکر ایک بھارتی ہوائی اڈہ پر لینڈ کیا، جس طرح جغرافیائی طور پر بھارت تقریباً ہر سمت سے اپنے پڑوسی بنگلہ دیش کو گھیرے ہوئے ہے، اسی طرح حسینہ کے خاندان کے ساتھ بھارت کے سیاسی تعلقات بھی تاریخی اور بہت خاص ہیں، حسینہ اپنے نئے مستقر بھارت میں ہیں؛ لیکن انہوں نے اپنے پیچھے ایک ایسا ملک چھوڑا

ہے جوان کی پالیسیوں کی وجہ سے شعلہ زن تھا، تازہ مظاہروں میں ۵۰۰؍ سے زائد مظاہرین اور متعدد پولیس اہل کاروں کی موت کے بعد کامیابی ملی، یکم جولائی کو شروع ہونے والے یہ احتجاجات، ۳؍اگست کو ایک نئے مرحلہ میں داخل ہوگئے جب طلباء نے سول نافرمانی کا اعلان کیا، آتش زنی اور توڑ پھوڑ کا بازار گرم ہوگیا، شیخ مجیب کے مجسمہ پر ہتھوڑے برسائے گئے اور اس کو منہدم کردیا گیا، یہ ملک گیر احتجاج ایک عوامی بغاوت میں تبدیل ہوگیا اور حسینہ کو طلباء کی سب سے بڑی مخالف قرار دیا گیا، اور بھارتی شکل وشباہت والی سیاہ وسفید بالوں کی مالک ایک بوڑھی حسینہ کو اقتدار سے بے دخل کرنے کا مطالبہ تیز تر ہوگیا، تا آں کہ حسینہ کو ان کو کرسی سے اتار پھینکا گیا، عوام وزیر اعظم کی سرکاری رہائش گاہ میں داخل ہوگئے اور مال غنیمت کی طرح وہاں کا ایک ایک سامان اٹھائے کچھ رکشوں سے کچھ پیدل خراماں خراماں اپنے گھروں کو روانہ ہوئے، یہ ایک جشن کا سماں تھا، دنیا بھر میں لوگوں نے بنگلہ دیش کے قومی ترانہ ''امر شونار بنگلہ، آمی تومائے بھالو باشی'' (میرا سونے جیسا بنگال، میں تم سے پیار کرتا ہوں) کو از سر نو سنا، اور ''دیش تمہار باپر ناکے'' (ملک تمہارے باپ کا نہیں) جیسی انقلابی نظموں سے لطف اندوز ہوئے، کہیں کہیں فیض احمد فیض کی نظم ''ہم دیکھیں گے'' کی گونج دل میں ایک ہوک جگا گئی۔

یہ منظر نامہ ملک کے معاشی اور سیاسی اتار چڑھاؤ کی عکاسی کرتا ہے، خاص طور پر جب بے روزگاری ۱۸؍ملین نوجوانوں سے تجاوز کرگئی، حسینہ کی مقبولیت، جو گزشتہ برسوں میں ان کی اقتصادی پالیسیوں کی وجہ سے آسمان چھو رہی تھی، دھڑام سے گرگئی، ۱۷؍کروڑ سے متجاوز آبادی والے اس ملک کی ایک طاقتور حکومت کو جہاں کی جی ڈی پی کی شرح نمو ۷ فیصد تک بڑھ گئی تھی، شیخ مجیب الرحمٰن کا قائم کردہ ۳۰؍ فیصد کوٹہ کا جائرانہ نظام لے ڈوبا، اس نظام کا مقصد پاکستان سے علاحدگی کی جنگ میں لڑنے والے مجاہدین کے خاندانوں کو سرکاری ملازمتوں میں نمایاں حصہ دینا تھا، مظاہرین کا کہنا ہے کہ ۵۶؍ فیصد سرکاری ملازمتیں اس نظام کے تحت مختلف زمروں میں تقسیم ہوتی ہیں، جن میں ۳۰؍ فیصد جنگِ آزادی کے مجاہدین کے خاندانوں، ۱۰؍ فیصد خواتین، ۱۰؍ فیصد پسماندہ علاقوں کے افراد، ۵؍ فیصد مقامی آبادی اور ۱؍ فیصد معذور افراد کے لیے مختص ہیں، ان کا ماننا ہے کہ یہ نظام ان گروہوں کے بچوں کو فائدہ پہنچاتا ہے جو وزیر اعظم شیخ حسینہ کی حمایت کرتے ہیں، اور اس سے بڑے پیمانہ پر اہلیت رکھنے والے طلباء کی حق تلفی ہوتی ہے۔

شیخ حسینہ واجد حکومت کے آخری سالوں میں حکومت مخالف آوازوں کو دبانے کے لیے زور بازو کی حکمت عملی استعمال کی گئی، فوج اور پولیس کو کھلی چھوٹ دی گئی تھی، اور عدلیہ کو موت، عمر قید، اور طویل المیعاد قید وبند کی سزائیں سنانے کی بے لگام اتھارٹی حاصل ہوگئی تھی، چنانچہ ابھی بڑی تعداد میں قیدی اپنی زندگیاں جیل کی تاریکیوں میں گزار رہے ہیں، حالیہ احتجاجات کی وجہ سے گرفتار شدگان کی تعداد تقریباً ۱۰؍ ہزار تک پہنچ چکی ہے، اور مظاہرین کی ہلاکتوں میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے، یونیسف کے مطابق، ان میں سے تقریباً ۳۶؍ بچے بھی شامل ہیں جو یا تو مظاہروں میں یا اپنے گھروں میں گولیوں کا نشانہ بنے، ایمنسٹی انٹرنیشنل کے اعداد وشمار کے مطابق، بنگلہ دیش میں ۲۰۱۳ء میں ایک ہزار سے زائد افراد کو سزائے موت دی گئی، جب کہ ۲۰۲۳ء تک، سزائے موت کا انتظار کرنے والوں کی تعداد ۲۴۰۰ سے تجاوز کر چکی تھی، جنہیں پھانسی یا گولیوں کا سامنا تھا، صحافیوں اور بلاگرز کو بھی سخت سزاؤں کا سامنا کرنا پڑا، جن کی آرا یا تحریریں حکومت کی تنقید پر مبنی تھیں، خاص طور پر، بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کے قائدین کو شیخ حسینہ کے دورِ حکومت میں بڑے پیمانہ پر سزائے موت کا سامنا کرنا پڑا، جن میں کچھ نمایاں نام درج ذیل ہیں:

-عبد القادر ملا: ایک اہم سیاسی رہنما اور جماعت اسلامی کے پہلے قائد تھے جن کو پاکستان سے علاحدگی کی جنگ کے دوران قتل کے جرائم میں ملوث ہونے کے الزامات کے تحت سزائے موت دی گئی، عبد القادر ملا کو ۱۲؍ دسمبر ۲۰۱۳ء کو دار الحکومت ڈھاکہ کے مرکزی جیل میں پھانسی دی گئی، فروری ۲۰۱۳ء میں ان پر سزائے موت کا حکم صادر کیا گیا تھا۔

-علی احسان محمد مجاہد: سابق وزیر اور جماعت اسلامی کے جنرل سکریٹری، جن کو ۲۱؍ نومبر ۲۰۱۵ء کو ہندو دانشوروں کو سزا دینے اور ان کو قتل کرنے کے الزامات میں پھانسی دی گئی، اسی دن بنگلہ دیش نیشنل پارٹی سے رکن پارلیمان صلاح الدین قادر چودھری کو بھی پھانسی دی گئی۔

-محمد قمر الزماں: جماعت اسلامی کے ایک اور رہنما، جن کو ۱۱؍ اپریل ۲۰۱۵ء کو دار الحکومت ڈھاکہ کے مرکزی جیل میں پھانسی دی گئی، ان پر پاکستان سے علاحدگی کی جنگ میں شرکت اور درجنوں افراد کی ہلاکت کا الزام تھا۔

-مطیع الرحمٰن نظامی: اس بزرگ رہنما کو ۱۰؍ مئی ۲۰۱۶ء کو پھانسی دی گئی، ان پر ۱۹۷۱ء کی جنگِ آزادی کے دوران نسل کشی اور پاکستانی فوج کے ساتھ تعاون کے الزامات تھے، مقامی اور بین الاقوامی اپیلوں کے باوجود حکومت نے ان کی پھانسی کے فیصلہ پر عمل درآمد کیا۔

-میر قاسم علی: انہیں بھی ۱۹۷۱ء کی

جنگِ آزادی کے دوران جنگی جرائم، بشمول آزادی کے متوالوں کے قتل اوراور ان کو سزا دینے کے الزامات کے تحت مجرم قرار دیا گیا، میر قاسم علی کو ۳؍ستمبر ۲۰۱۶ء کو دارالحکومت ڈھاکہ کے قریب ایک اعلیٰ سطحی سیکیورٹی والی جیل میں پھانسی دی گئی۔

-غلام اعظم: جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے امیر، جنہیں ۱۹۷۱ء کی جنگِ آزادی کے دوران جنگی جرائم کے الزامات کے تحت سزا دی گئی، غلام اعظم ۲۳؍اکتوبر ۲۰۱۴ء کو، ۸۹؍سال کی عمر میں اپنے قید خانہ میں انتقال کر گئے، انہیں ۹۰؍سال قید کی سزا سنائی گئی تھی، جس میں سے انہوں نے دو سال جیل میں گزارے۔

-ابوالکلام محمد یوسف: بنگلہ دیش کے سب سے بڑے علماء میں سے ایک، جنہیں ''ممتاز المحدثین'' کا لقب حاصل تھا، یہ اس ملک میں حدیث کی خدمات کے لیے سب سے بڑا لقب ہے، وہ جماعت اسلامی کے سابق جنرل سکریٹری اور مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے رفیق تھے، ۹؍فروری ۲۰۱۴ء کو، وہ جیل میں متعدد بیماریوں کی شدت کے باعث وفات پا گئے۔

ان بڑے ناموں کے علاوہ، حسینہ کے دورِ حکومت میں کئی دیگر اسلام پسند دانشوروں، نوجوانوں، اور کارکنوں کو بھی پھانسیاں دی گئیں، جن لوگوں کو پھانسی دی گئی، ان کی جائیدادیں بھی ضبط کر لی گئیں، حسینہ، خالدہ ضیاء کے بعد، بنگالی عوام کے ماضی کا حصہ بن گئیں، ہر آمر کے لیے اس میں ایک عبرت ہے اور یہ پیغام کہ:

سب تاج اچھالے جائیں گے
سب تخت گرائے جائیں گے
بس نام رہے گا اللہ کا

☆☆☆☆☆

.....بقیہ صفحہ ۲۹؍کا

نہ کوئی اصل ہے، نہ کوئی اساس، یہ بالکل لوگوں کی من گھڑت باتیں اوران کے دماغ کی اپج ہیں، شریعت سے ان باتوں کا کوئی تعلق نہیں؛ بلکہ اس طرح کی جو باتیں حدیث کے نام سے موسوم ہیں، وہ موضوع روایتیں ہیں، جن کے بارے میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاتکذبوا علی، فإنه من کذب علی فلیلج النار. [بخاری، حدیث نمبر:۱۰۶] (مجھ پر جھوٹ نہ کہو؛ کیوں کہ جو مجھ جھوٹ کہے گا، وہ جہنم میں جائے گا)۔

ان جیسی روایتوں سے کسی قسم کا استدلال نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ ان کا بیان کرنا بھی حرام ہے، محمد بن ابراہیم حلبیؒ لکھتے ہیں:

وحکم روایة الموضوع مطلقاً تحریمها علی من علم أو ظن أنه موضوع؛ إلامع بیان حاله. [قفو الأثر فی علوم صفوة علوم الأثر، فصل فی الحدیث المردود، ص:۱۴] (جاننے یا موضوع گمان کرنے والے شخص پر موضوع حدیث کا بیان کرنا مطلق حرام ہے؛ الا یہ اس کی حیثیت بھی بیان کردے)۔

ماہِ صفر کے تعلق سے یہ سب باتیں صرف اسی زمانہ کے لوگوں میں نہیں پائی جاتیں؛ بل کہ زمانۂ جاہلیت میں بھی پائی جاتی تھیں؛ چنانچہ ابن وہب کہتے ہیں:

کان أهل الجاهلیة یقولون: إن الصُفارالتی فی الجوف، تقتل صاحبها، وهی التی عدت علیه إذامات. [المنتقی شرح الموطأ: ج۴/ص۳۶۶] (اہل جاہلیت کہتے تھے کہ پیٹ میں موجود صفار نامی کیڑا آدمی کی جان لیتا ہے اوراس کی موت کے بعد وہ اس پر متعدی ہوتا ہے)۔

عرب کے لوگ بھی اس مہینہ کو نہ صرف یہ کہ منحوس سمجھتے تھے؛ بل کہ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اس مہنہ میں کثرت سے بلائیں اترتی ہیں، علامہ سندیؒ لکھتے ہیں:

انهم یتشاءمون به، ویریدون أنه یکثرفیه الدواهی والفتن. [حاشیۃ السندی علی ابن ماجہ: ج۶/ص۴۶۲] (وہ لوگ اس مہینہ کو منحوس سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ اس ماہ میں مصیبتوں کی کثرت ہوتی ہے)۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صفر کے مہینے کے تعلق سے لوگوں کے اس تصور کی بنیاد ہی ڈھادی ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لاعدوی، ولاطیرة، ولاهامة، ولاصفر. [بخاری، حدیث نمبر:۵۷۵۷] (چھوت چھات، پرندوں اور الو کی کھوپڑی کی بدفالی اور صفر کی نحوست کی کوئی حقیقت نہیں ہے)۔

علامہ مناویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

قال البیضاوی: ویحتمل أن یکون نفیاً لما یتوهم أن شهرصفرتکثرفیه الدواهی والفتن. [فیض القدیر: ج۶/ص۴۳۳] (امام بیضاویؒ کہتے ہیں: اس بات کا بھی احتمال ہے کہ صفر کے مہینے میں مصائب وآلام کی کثرت کی نفی کی جارہی ہے)۔

خلاصہ یہ کہ ماہ صفر کے تعلق سے ہمارے جو خیالات ہیں، وہ بے بنیاد ہیں؛ اس لیے ہمیں ان سے بچنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: کیا بینک سے حاصل شدہ سودی رقم بحالت مجبوری کسی کو رشوت میں دی جاسکتی ہے، اگر رشوت نہ دی جائے تو کام ہونا مشکل ہوجائے اور نقصان کا اندیشہ رہتا ہے، اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

جواب: رشوت دینا خود حرام ہے اور رشوت کے ساتھ اس میں سود کی رقم دینا دہرا گناہ ہے، اس لیے یہ صورت جائز نہیں ہے، ہاں اگر کوئی ناحق ظلم سے بچنے کے لیے رشوت دینے پر مجبور ہوجائے تو اس صورت میں اس کی گنجائش ہوسکتی ہے؛ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ کسی مقامی دارالافتاء کے مفتی کے سامنے سارے احوال رکھ کر ان سے رائے لی جائے وہ جو رائے دیں اس پر عمل کیا جائے۔

سوال: سود کی رقم یتیم لڑکی کی شادی میں دے کر یا بیمار شخص کی مدد کر کے ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے؟

جواب: سود کی رقم ثواب کی نیت سے دینا گناہ ہے کیونکہ مال حرام سے صدقہ کرنا صدقہ کی توہین ہے؛ البتہ بلانیت صدقہ یتیم لڑکی کی شادی یا بیمار شخص کے علاج کے لیے سود کی رقم دی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ اس کے محتاج ہوں اور شادی اور علاج کے لیے ان کے پاس جائز رقم موجود نہ ہو۔

[ردالمحتار: ج۷/ص۲۲۳]

سوال: کیا حاصل شدہ سود کی رقم کسی ضرورت مند یا غریب کو بطور قرض حسنہ دے کر واپس شدہ رقم اپنے مصرف میں لاسکتے ہیں؟

جواب: سود کی رقم قرض میں دینا، پھر قرض سے واپسی کے بعد اسے اپنے مصرف میں لانا جائز نہیں، اگر سود کی رقم کسی مسلمان کے پاس آجائے تو اسے چاہیے کہ بلانیت صدقہ وثواب غرباء پر خرچ کردے۔

[بذل المجہود: ج۱/ص۳۷]

سوال: بکر نے زید سے قرض لیا؛ لیکن تقریباً ۱۰۰ رسال سے زید کا علم نہیں اور بکر قرض ادا کرنا چاہتا ہے تو کس طرح ادا کرے، کیا ان کے ورثاء کو قرض ادا کرنے سے ادائیگی ہوجائے گی؟

جواب: اگر بکر نے زید سے قرض لیا ہو اور زید کا علم نہ ہو اور نہ اس کے ملنے کی امید ہو، البتہ ان کے ورثاء کا پتہ ہو تو اس صورت میں زید سے لیا گیا قرض ان کے ورثاء کو دیا جائے گا، اس طرح قرض کی ادائیگی ہوجائے گی۔

[ردالمحتار علی الدر المختار: ج۶/ص۴۴۳]

سوال: ایک شخص کے دادا نے قرض لیا تھا؛ لیکن ادائیگی سے پہلے ان کی وفات ہوئی اور انہوں نے کسی وارث کو قرض ادا کرنے کی وصیت نہیں کی، اب ان کے ورثاء ان کی جانب سے قرض ادا کرنا چاہتے ہیں، تو کیا قرض کی ادائیگی ہوجائے گی؟

جواب: اگر کسی نے قرض لیا ہو اور قرض ادا کرنے سے پہلے اس کی وفات ہوجائے تو اس کے ترکہ سے قرض کی ادائیگی کی جائے اور اگر میت نے قرض کی ادائیگی کی وصیت نہیں کی اور ورثاء ادا کردیں تو یہ بھی کافی ہوجائے گا۔

[درمختار: ج۲/ص۵۳۳]

سوال: قرض کی ادائیگی کے وقت قرض سے زیادہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ زیادتی عقد میں مشروط نہ ہو بلکہ اتفاقاً قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دیدیا جائے؟

جواب: قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دیدیا جائے جبکہ زیادتی عقد میں مشروط ہو اور نہ اس کا رواج ہو کہ زیادتی کی امید کی جاتی ہو، تو ایسی صورت میں قرض سے زیادہ دینا درست ہے۔

[جامع ترمذی: ج۱/ص۲۴۰]

سوال: آج کل لوگوں میں بلاضرورت قرض لینے کا کافی رواج ہوگیا ہے، کیا بغیر مجبوری بھی قرض لینا جائز ہے؟

جواب: احادیث نبویؐ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مقروض بننا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے اور جب تک کوئی واقعی حاجت درپیش نہ ہو حتی الامکان اس سے بچنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقروض بننے سے اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔

[صحیح بخاری: ۲۳۹۷]

سوال: قرض لینے کے بعد اسکی ادائیگی کی فکر نہ کرنا یا ادا کرنے کی پوزیشن ہو اس کے باوجود ٹال مٹول سے کام لینا شرعاً کیسا ہے؟

جواب: ضرورت کے وقت ادائیگی کی نیت سے قرض لینا جائز ہے، لیکن قرض لے کر اس سے غافل ہوجانا اور ادائیگی کی نیت نہ کرنا جائز نہیں، حدیث نبویؐ میں ہے کہ غفلت کے تین درجے ہیں: ان میں سے ایک درجہ یہ ہے کہ آدمی قرض کی ادائیگی سے اس طرح غافل ہوجائے کہ وہ اس پر سوار ہوتا چلا جائے، اور اس کا خوف اس پر مسلط ہوجائے۔

[شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۴۲۸۵]

دوسری حدیث میں ہے کہ: مالدار شخص کا قرض کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔ [ترمذی]

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہٖ تعالیٰ

تاریخ ۱۰؍اگست ۲۰۲۴ء

Date 10th August 2024

اہلِ خیر حضرات سے

اللہ تعالیٰ کا شکر و احسان ہے کہ حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی دامت برکاتہم کی سرپرستی میں ندوۃ العلماء اپنی علمی، دینی، تعلیمی و تربیتی خدمات انجام دے رہا ہے، اور ان بیش قیمت اصولوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے جن کے لیے ندوۃ العلماء کو قائم کیا گیا تھا، یعنی جدید زمانہ میں اسلام کی مؤثر اور صحیح ترجمانی، دین و دنیا کی جامعیت اور علم و روحانیت کے اجتماع کی کوشش، فتنۂ لادینیت اور ذہنی ارتداد کا مقابلہ، اسلام پر اعتماد اور اسلامی علوم کی برتری و امتیاز کا اعلان و اظہار، دین حق سے وفاداری اور شریعت پر استقامت۔

آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس ضرورت اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی، فیاضی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون و اعانت فرمائیں کہ ہندوستان میں دین کے قلعوں کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

لہٰذا آپ حضرات سے گزارش ہے کہ اپنے صدقات و عطیات چیک یا ڈرافٹ کے ذریعہ اور آن لائن ندوۃ العلماء کے مندرجہ ذیل اکاؤنٹ میں منتقل فرمائیں، ایسے نازک اور مشکل حالات میں ندوۃ العلماء کے ساتھ آپ کا تعاون نہایت اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کو ہمارے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) جعفر مسعود حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

عطیات	A/c No. 1086 3759 711
تعمیرات	A/c No. 1086 3759 733
زکوٰۃ	A/c No. 1086 3759 766

IFSC CODE : SBIN0000125 - STATE BANK OF INDIA, MAIN BRANCH, LUCKNOW

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں:

Nizamat office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marge, Lucknow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91-8736833376

پر مطلع فرمانے کی زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا